مئی ۸۲

۱۲۵۲
۷

ماہنامہ

المشیر

اللہ ولی الذین آمنوا

تمکین شیرازی ۱۹۸۰

جلد ۳ ☆ شمارہ ۷

مئی ۱۹۸۲ء مطابق رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

• سرپرست اعلیٰ:

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

• مدیر مسئول:

حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی اسلامیات

• مجلس ادارت (اعزازی)

• پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی۔اے (آنرز) ایم اے

• مولانا محمد اکرم ملک منارہ (جہلم)

• پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

بدل اشتراک

زر سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ "
فی کاپی	۳ "

سول ایجنٹ

مدنی کتب خانہ گنپت روڈ

لاہور

اس شمارہ میں

اداریہ	مدیر
اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم
عفو و درگزر	ایچ۔ ایم بشیر لندن
معاشی اصول	مولانا محمد ہارون
تصوف کی حقیقت	فیض الرحمان
نفس کی اصلاح	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
لاؤڈ سپیکر	عبدالعزیز خالد

دینی اصلاحی اور علم سلوک اور تصوف کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا

اداریہ

بیا ور ید گر اینجا بود زباندانے
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

فرد ہو یا جماعت، کون ہے، جسے امن وسکون کی زندگی پسند نہ ہو۔ مگر حیرت کی بات تو یہ ہے کہ افراد اور جماعتیں اس کے حصول کی تدابیر سوچنے اور اختیار کرنے کی جگہ بد امنی اور بے چینی کی فضا پیدا کرنے اور اس آگ کو ہوا دینے میں مصروف ہیں۔

فرد کو امن وسکون کی زندگی میسر آنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کے اخلاقی نظام میں توازن برقرار رہے۔ فرد اگر اخلاقی قدروں سے بے نیاز ہو جائے تو وہ فریب کاری، چوری ڈاکہ، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، ظلم و جور میں ایسا بے باک ہو جاتا ہے کہ انسان کی شکل میں ایک درندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اپنا سکون بھی غارت ہو جاتا ہے اور معاشرے سے امن وسکون اُٹھ جاتا ہے اسی اخلاقی آوارگی اور انارکی کی صورت ہمارے معاشرے میں پیدا ہو چکی ہے ملک کا کوئی روزنامہ اُٹھا کر دیکھئے ایسی واردات اور ایسی اخلاق سوختگی کے واقعات سے صفحے کے صفحے پُر نظر آتے ہیں اور یہ کوئی ایک دن کی بات نہیں ہر روز یہی مناظر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں بلکہ یوں لگتا ہے جیسے ملکی پریس کے لئے ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ وہ جرائم کی رپورٹیں شائع کرتا رہے۔ بعض روزناموں کے "شکایات سیل" کا مطالعہ کیا جائے تو ہر قاری اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نیچے سے اوپر تک آوے کا آوا ہی بگڑ چکا ہے ان حالات میں امن وسکون کی محض خواہش پر اکتفا کر لینا جنت الحمقاء میں بسنے سے زیادہ کچھ نہیں۔

جماعتوں کا حال اس سے بھی گیا گزرا ہے۔ ملک میں مزعومہ جمہوریت اور امن وسکون کی فضا پیدا کرنے کی خواہش کا اظہار دھڑا دھڑ ہو رہا ہے مگر حال یہ ہے کہ جماعتوں کے اندر اور بین الجماعتی فضا میں بد امنی عدم اعتماد اور حیلہ جوئی کا دور دورہ ہے۔ جماعتوں کے اندر نئے نئے گروپ اور جماعت در جماعت پیدا ہونے کا مشغلہ زوروں پر ہے حالانکہ سب جماعتوں کا مقصد جب ایک ہے تو ان میں مختلف مورچے سنبھال کر ایک دوسرے پر نشانہ بازی کی

مشق کیوں کی جارہی ہے۔ یہ صورت صرف سیاسی جماعتوں کے ساتھ مخصوص نہیں مذہبی جماعتیں اس میدان میں کسی سے کم نہیں اور لطف یہ کہ مذہبی حلقوں میں وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا " یعنی تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے مگر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کردی اور تم بھائی بھائی بن گئے "، کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ٹھکرا کر باہمی آویزش تشتت و افتراق کو فکر و عمل سے دعوت دے رہے ہیں۔ یہ نااتفاقی، یہ سر پھٹول آخر کیوں ہے، اتحاد کی دعوت بھی ہے اور نااتفاقی میں بھی آئے روز اضافہ بھی ہوتا چلا جارہا ہے۔

بنیادی طور پر دو وصف ایسے ہیں جن کے نتیجے بالکل مختلف بلکہ متضاد سامنے آتے ہیں تواضع کے بیج سے باہمی الفت، اخوت، محبت اور قرب کا تناور درخت پھوٹتا بڑھتا اور برگ و بار لاتا ہے اور تکبر کے تخم سے خود بینی، خود پسندی، خود نمائی اور خود رائی کے جھاڑ جھنکار پیدا ہوتے ہیں اور معاشرے میں کانٹے ہی کانٹے پھیل جاتے ہیں۔

آپ افراد اور معاشرے کا جائزہ لیں تو آپکو ہر جگہ یہ کانٹے دار فصل ہر جگہ لہلہاتی نظر آتی ہے جب تک اس کے تخم یعنی "تکبر" کا خاتمہ نہ کیا جائے یہ فصل اُگنا بند نہ ہوگی اور معاشرے میں امن و سکون پیدا ہونا ممکن نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ دل اور اہلِ دانش اس حقیقت پر غور کریں۔ افراد اور جماعتیں خود بینی خود پسندی اور خود نمائی خود رائی کی دلدل سے نکل کر باہمی اعتماد اور یگانگت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اس متکبرانہ روش کے ساتھ اتحاد کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

"مدیر"

مولانا محمد اکرم صاحب

(مسلسل)

اسرار التنزیل

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا . . . . اَکْثَرُھُمْ لَفٰسِقِیْنَ ط

خداوند کریم نے حضرت شعیبؑ کی قوم کا ذکر فرماتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا۔ اگر یہ لوگ جو عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آگئے اور جو دنیا سے نابود کر دیئے گئے اور جن پر طرح طرح کے عذاب مسلط کیئے گئے اور اخروی اور دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ اگر اپنی دنیا میں رہتے ہوئے اس دنیاوی زندگی میں ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے لفتحنا علیھم برکات من السمآء والارض تو آسمانوں اور زمینوں سے ان کے لیئے برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے۔ یعنی ایمان باللہ وہ دنیاوی آسائش کی کنجی بھی ہے۔ اور بڑے سے بڑا گناہ دنیا میں کفر ہے اللہ کریم کے ساتھ شرک ہے۔ اللہ جل شانہ، کے احکامات سے انکار کر دیا۔

اس کی ذات سے انکار کر دینا۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے انکار کر دینا۔ سب سے بڑا جرم دنیا میں یہ ہے۔ اس کا علاج بھی اللہ کریم نے نہایت سہل عطا فرمایا ہے کہ انسان توبہ کرکے گذشتہ کو بھول کر ایک نئی زندگی شروع کر دے خداوند عالم فرماتے ہیں۔ اگر یہ توبہ کر لیتے۔ اگر ایمان درست کر لیتے وَاتَّقَوْا تو سمجھ آتی ہے تقویٰ کی بنیاد ایمان پر ہے جب تک عقائد کی اصلاح نہ ہو۔ جب تک ذہن درست نہ ہو جب تک سمجھ کی سمت صحیح نہ ہو۔ اس وقت تک انسان تقویٰ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ جب وہ اس کے بنیادی اصولوں سے ہی واقف نہیں اس کی بنیاد ہی غلط رکھ رہا ہے۔ تو سب سے پہلا اور سب سے ضروری کام ہے کہ انسان اپنے خیالات و اعتقادات کا جائزہ لے اور انہیں بعینہٖ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ڈھال لے آج کل ایک اور رسم بھی ہے۔ یہ نئی نہیں ہے یہ مرض پرانا ہے۔ شروع میں ہی لوگ جو رواج اور رسومات اور بعض خواہشات معاشرے سے یا اپنے پیشروں سے ورثے میں پاتے تھے۔ انہیں اپنی عزت کا سوال بنا لیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان باتوں کو ہم چھوڑ دیں اور پیغمبر کی بات تسلیم کریں تو اس میں ہماری ، ہمارے آباؤ اجداد کی۔ ہمارے معاشرے کی۔ ہماری مقرر کی ہوئی حدود کی نامقرری ہو گی اور اس میں شاید ہماری سُبکی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بھٹکا ہوا جہاں سے بھی معلوم کر لے کہ میں غلط

سمت کو چل رہا ہوں تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی سمت صحیح کرے۔ اس میں اس کی سُبکی یا بے عزتی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیئے باعث فخر ہے آخر سیدھے راستے کو پا ہی لیا اور ایمان باللہ ہی وہ دروازہ ہے جس میں قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے اور جس پر تقویٰ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ فرمایا اگر یہ لوگ جو تباہ ہوئے، برباد و ہلاک ہوئے صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ اگر یہ بھی ایمان درست کر لیتے اور تقویٰ اختیار کرتے لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم زمین سے بھی اور آسمان سے بھی ان کے لیئے برکات کے خزانے الٹ دیتے۔ اور ان کے دروازے کھول دیتے تو برکت کیا ہوتی ہے برکت کا تعلق ہے بڑی حد تک ذہنی سکون کے ساتھ ایک آدمی کو قلبی طور پر اگر سوکھی روٹی پر بھی اللہ کریم اطمینان بخش دے تو اُس کے لیئے سوکھی روٹی میں برکت ہے ایک آدمی کو اگر کروڑوں روپے دیکر بھی اُس سے اطمینان قلب سلب کر لیا جائے۔ تو اس کے لیئے اُن کروڑوں روپوں کا ہونا کوئی برکت نہیں۔ تو آسمانی امور اور زمینی خزانے جو ہیں اُن سب میں اُن کے لیئے برکت رکھ دی جاتی ہے۔ کن لوگوں کے لیئے جو ایمان کی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے اعمال کو درست کرتے ہیں وَلَٰكِن كَذَّبُوا۔ لیکن یہ ایسے بدنصیب تھے کہ انہوں نے تکذیب کی انکار کا راستہ اختیار کیا۔ انبیاء علیہم السلام کی پیروی کو چھوڑ بیٹھے فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ تو ان کا غرق ہونا یا ان کا زمین میں دھنس جانا۔ یا ان پر ہوا کا عذاب مسلط ہونا۔ یا ان کے مکانوں کا گر جانا۔ اور قوم کا تباہ ہو جانا ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جس راستے پر آدمی چلنا شروع کر دیتا ہے۔ لازماً ایک نہ ایک دن وہ اس کی انتہا کو پا لیتا ہے تو انہوں نے اپنے ان اعمال کی انتہا کو پا لیا۔ تو پتہ چلتا ہے کہ نیک و بد اعمال کا مواخذہ اخروی جو ہو گا وہ تو یقیناً ہو گا اس دنیاوی زندگی میں بھی اُن کے تاثرات پہنچتے رہتے ہیں۔ نیکی اور تقویٰ، عمر میں، گھر میں، مال میں، عزت میں، ہر چیز میں برکت کے اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اور بدکاری اور برائی اور بے حیائی عذاب الٰہی کو دعوت دیتی ہے اور بے اطمینانی اور بے اتفاقی۔ اور بے حیائی کو انسان پر مسلط کر دیتی ہے۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ ... وَهُمْ نَائِمُونَ کیا اس کے بعد بھی جو لوگ زمین پر چلتے پھرتے اور بستے ہیں اپنے سے پہلی گزرنے والی قوموں کی تاریخ کو پڑھتے ہوئے بھی اُن کے حالات کو جانتے ہوئے بھی اُن کے اعمال کے انجام سے واقف ہوتے ہوئے بھی۔ پھر یہ اس انتظار میں ہیں کہ اُس وقت تک سوتے ہی رہیں کہ انہیں عذاب الٰہی آکر پکڑ لے یہ کیوں اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ یہ کیوں اُٹھ کر عمل کی طرف نہیں چلتے کہ انہیں اس قدر بے کاری سے الفت ہے اور اس قدر نیند اور آرام اور اس قدر اپنے خیالات پیارے ہیں کہ اُس وقت تک انہیں سینے سے چمٹائے ہی رکھیں گے جب تک عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آجائیں أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ .... يَلْعَبُونَ یا دن ان کا کھیل میں کٹتا ہے۔ رات ان کی نیند میں کٹتی ہے۔ کھیل ہر اُس کام کو کہا گیا ہے جو خلاف شرع ہے۔ ہر اُس کام کو وقت کے ضیاع سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کو یہ فضول باتوں میں۔ واہیات کاموں میں

ضائع کر دیتے ہیں اور راتوں کو نیندوں میں ضائع کر دیتے ہیں ۔کیا یہ اس انتظار میں ہیں کہ انہیں رات کو سوتے ہوئے عذاب الٰہی پکڑے ۔اور دن کو کھیلتے ہوئے اور وقت ضائع کرتے ہوئے اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں ۔

اس موجودہ سائنسی ترقی کے دور میں امریکہ جیسی سٹیٹ جو ترقی کی انتہا پر ہے اکثر اخباروں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک زلزلہ آتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کو بے کرڈو تباہ ہے ۔جہاں انہوں نے سڑکیں بنائی ہیں وہاں نہریں بن جاتی ہیں اور جہاں نہریں بہہ رہی ہیں وہاں خشک زمین نکل آتی ہے ۔چائنہ میں آپ دیکھیں سالم شہر، دس ہزار کی آبادی کا ۔اس میں سے ایک متنفس بھی باہر نہ نکل سکا کہ یہ سب کچھ کیا ہے ۔اللہ کریم کی طرف سے تنبیہ ہے کہ کیا تم لوگ اس قدر غافل ہو چکے ہو اس انتظار میں ہو ۔نہ تمہاری سائنس تمہارے کام آسکتی ہے نہ تمہارے ٹینک تمہیں بچا سکتے ہیں نہ تمہارا قومی خزانہ عذاب الٰہی کو روک سکتا ہے عذاب الٰہی کو روکنے کے لیئے شرط ہے اطاعت الٰہی ، ایمان باللہ اور تقویٰ یہ شرط ہے ۔اور اس سے نہ صرف عذاب الٰہی ٹلتا ہے ۔بلکہ اللہ کریم کی طرف سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور ان کے ہر کام میں برکت رکھ دی جاتی ہے

غزوہ موتہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ وسلم نے مقام موتہ پر جن اصحابؓ کو بھیجا تھا ۔ان کی تعداد تین ہزار تھی اطلاع یہ ملی تھی کہ رومیوں کا ۔اس علاقے کا فرمانروا مدینہ منورہ پر بری نگاہ ڈال رہا ہے اس کا خیال ہے کہ میں مسلمانوں کے اس مرکز پہ چڑھائی کر دوں ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت یہ تھی کہ آپ کے دشمن کے ارادے کی خبر پاکر اس کو اپنی سرحدوں سے باہر ہی جا لیتے تھے ۔

دنیا نے نہ ایسا عظیم جرنیل دیکھا اور نہ دیکھ سکے گی جیسا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے شرف بخشا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کوئی بری نیت سے ارادہ کرتا اور حضورؐ کو اطلاع ہو جاتی تو آپ جنگ کو دشمن کے گھر میں لے جاتے تھے وہاں سے چل کر وہاں اس کا استقبال کرتے تھے ۔یہی بدر، یہی احد اور یہی تبوک وغیرہ میں پیش آیا ۔تو ان کی تعداد تین ہزار تھی تو رومی دو بھائی تھے جو حکمران تھے ۔وہاں انہوں نے بھاگ دوڑ کر ۔جب انہیں مسلمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے تقریباً ایک لاکھ کا لشکر عرب جو عیسائی تھے رومیوں کے مذہب پر تھے ۔عرب عیسائی کا اکٹھا کر لیا اور ایک لاکھ کے قریب یا ایک لاکھ سے کچھ زائد لشکر جو ہے وہ قیصر روم نے بھیج دیا ان کی امداد کے لیئے وہاں سے انہوں نے منگوا لیا ۔اس کی کمان قیصر روم کی بیوی کے ہاتھ میں تھی ۔آپ دیکھیں کتنا قریبی گھر کا آدمی اس نے اپنا افراد خانہ میں سے ایک کو مقرر کر کے اور کس قدر تاکید سے بھیجا ہوگا ۔کتنی دلچسپی لی اس نے ۔تو وہ فوج دو لاکھ سے تجاوز کر گئی ۔اور یہ تین ہزار کے قریب تھے ۔حضرت زید بن حارثہؓ امیر تھے اور ان کے بعد ایک انصاری تھے پھر تیسرا امیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور رس نگاہ نے حضرت جعفرؓ کو مقرر فرمایا تھا ۔اللہ اللہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے لکھتے ہیں کہ ایک یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھا جب آپ ان امراء کا تقرر فرما رہے تھے حضرت زیدؓ کو امیر لشکر منتخب فرمایا ۔پھر فرمایا اگر زید شہید ہو

جائیں تو فلاں ہوگا۔ اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ ہوں گے۔ تو اس یہودی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ بس کر دیجئے۔ اس سے زیادہ امراء مقرر نہ فرمائیے۔ کیوں آپ جتنے امیر مقرر فرمائے چلے جائیں گے۔ اتنے وہاں ضرور مقرر ہوں گے۔ اور پہلے سب شہید ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ کے ارشادات خالی نہ جائیں گے۔ یہاں تک تو اس دور کے یہودیوں کو بھی اعتماد ہو گیا تھا۔ ارشادات نبوی ﷺ پر۔ ایمان نصیب ہونا اور بات ہے۔ ابوجہل سے ایک رشتے نے کہا تھا جو رشتے میں اس کا بھانجا لگتا تھا۔ کہ خالو جان ایک آدمی نے پوری قوم میں افراتفری اور تفریق پیدا کر دی۔ اور روز منصوبے بنتے ہیں اور روز تماشہ ہوتا ہے اور روز شور و شر ہوتا ہے صرف ایک آدمی کے لیئے اس قدر تردد کیوں ہے۔ ہم پورے جزیرۃ العرب میں مانے ہوئے شریف، معزز رئیس اور کعبہ کے متولی اور ہماری خاندانی شرافت ہے تو اس ساری کا تانا بانا بکھر رہا ہے۔ ہمارے گھر میں عجیب مصیبت پیدا ہو رہی ہے تو صرف ایک آدمی کو ختم کرنے کے لیئے یا اس کی تحریک کو دبانے کے لیئے کون سی زیادہ طاقت کی ضرورت ہے۔ کیوں نہیں تم سرے سے اس ایک آدمی کو قتل کر دیتے۔ وہ کہنے لگا۔ او بے وقوف، تو نو عمر ہے تو ان باتوں کو نہیں سمجھتا۔ ہم نے اپنی طرف سے قتل کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ لیکن وہ خدا کا برحق رسول ﷺ ہے۔ خدا اسے بچا لیتا ہے ہم کیا کریں۔ تو وہ کہنے لگا۔ اگر تم اس حد تک واقف ہو کہ اللہ کا برحق رسول ﷺ ہے تو پھر ماننے میں کیا دیر ہے۔ پھر تو شرارت تمہاری طرف سے ہے۔ فساد تم پیدا کر رہے ہو۔ پھر مان لو۔ تو وہ کہنے لگا تو ان باتوں کو نہیں جانتا۔ ماننے میں بھی تو ہماری سبکی ہے ہماری بات نہیں رہتی ۔ تو اس حد تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں کفار پر بھی واضح تھا بے شمار واقعات اس طرح کے ملتے ہیں۔ تو میں بات اُن مجاہدین کی کر رہا تھا۔ وہ تو تعداد میں صرف تین ہزار تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ دو تین دن تک کیمپ رہا مجاہدین کا اور ان کی فوجیں رومیوں کی آتی رہیں تو آپس میں مشورہ کیا تو کسی نے کہا ایسا کریں۔ ہم یہاں بیٹھتے ہیں اور ایک آدمی کو واپس مدینہ منورہ بھیجتے ہیں۔ جیسا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے۔ اس پر عمل کریں گے۔ کیونکہ فوج ہماری توقع سے کہیں زیادہ ہے تین ہزار اور سوا دو لاکھ کا مقابلہ ہے اور پھر دست بدست لڑائی ہو کیا مقابلہ ہے اپنی اپنی رائے لوگوں نے پیش کی۔ تو وہ انصاری جو دوسرے نمبر پر امیر تھے وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا۔ مسلمانوں مدینہ یہاں سے بہت دور ہے۔ ہمارا قاصد جائے گا پھر اس کے واپس آنے تک ہم بے کار بیٹھیں گے۔ کیا ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم موجود نہیں ہے۔ آپ نے ان کے مقابلے کے لیئے مامور نہیں فرمایا۔ تو کہنے لگے۔ بے شک ہے، تو انہوں نے فرمایا میں تمہیں خوشخبری دیدوں ہم کامیاب ہوں گے اور اس طرح کہ اگر ہم غالب آ گئے تو بھی ہماری کامیابی ہے اور اگر رومی غالب آ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم شہید ہو جائیں گے ہماری اس میں بھی کامیابی ہے فتح بہر حال ہماری ہے پھر اس میں سوچنے کی کونسی بات ہے۔ اللہ کا نام لو ہم ان سے لڑیں گے اور ضرور لڑیں گے۔ تو تین ہزار لشکر تھا اور سوا دو لاکھ انسانوں سے لڑ گیا۔

حضرت زیدؓ اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ انصاری بھی شہید ہوئے۔ حضرت جعفرؓ بھی شہید ہوئے بے حد افراتفری مچ گئی چونکہ جو تھا تو کوئی اور حضورؐ نے مقرر نہیں فرمایا تھا۔ پھر ایک انصاری سے علم اسلامی لے لیا اور اس کے گرد مسلمان اکٹھے ہوگئے اس نے خالد بن الولید کو علم تھا دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ کہ زیدؓ شہید ہو چکے۔ فلاں شہید ہو چکے۔ جعفرؓ شہید ہو چکے اب مسلمانوں کا جھنڈا خالدؓ کے پاس ہے اور وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اس دن حضرت خالدؓ کا لقب سیف اللہ مشہور ہوا۔ کہ اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار اللہ نے رومیوں پر مسلط کر دی۔ حضرت خالدؓ نے بھی اس بے جگری سے لڑے ایک ہفتہ اُن دو لاکھ انسانوں اور تین ہزار مجاہدوں میں دو بدو لڑائی ہوتی رہی۔ اس پورے ہفتہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے اور بے حد نقصان افرادی اُٹھا کر رومی میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ برکت اس کا نام ہے۔ برکت اسے کہتے ہیں کہ اُن تین ہزار اپنے محبوب اور پسندیدہ انسانوں کو سوا دو لاکھ کے لئے ایک پہاڑ بنا کر اللہ کریم نے ایک ناقابل تسخیر چٹان بنا کر رکھ دیا تھا۔ اسے برکت کہتے ہیں اور اس کے حصول کا ذریعہ ایمان باللہ اور تقویٰ ہے اور پھر یہ لوگ فرمایا ان کی راتیں مدہوشی میں کٹتی ہیں اور ان کے دن بے کار اور فضول باتوں میں کٹتے ہیں۔ کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اسی حال میں ان کو اللہ کا عذاب پکڑے افامنوا مکر اللہ۔ کیا یہ اللہ کریم کی تجویزوں سے خدا کی تدبیروں سے اور عالم امر کے احکام کے اجراء سے یہ مطمئن ہوگئے ہیں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آج کا دور جو ہے۔ یہاں تو نقد سودا بک رہا ہے۔ اللہ کی قسم کوئی دیکھنے والا ہو۔ اگر کسی کو اللہ کریم سمجھ عطا فرمائے۔ تو آپ آج کل کی بات دیکھ لیں کہ پرسوں تو بھٹو صاحب کہہ رہے تھے کہ یہ کرسی بڑی مضبوط ہے اور آج وہی شخص بجلی کی کرسی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے افامنوا مکر اللہ ... کیا یہ خدائی تدبیروں سے مطمئن ہو گئے ہیں۔ یہ خیال ہی نہیں ہے کہ کوئی ہستی ہمیں کنٹرول کر رہی ہے (CHECK UP) کر رہی ہے ہمیں دیکھ رہی ہے۔ ہمارے اعمال کو جانچ رہی ہے ہمارے کریکٹر کو (CHECK UP) کر رہی ہے ہمارے افکار کو دیکھ رہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تعلقات بگڑتے بگڑتے اس حد تک بگڑ جائیں کہ ہم اس کے عذاب کی گرفت میں آجائیں فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون اللہ کی تدبیروں سے وہی لوگ مطمئن ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں جنھیں تباہ ہونا مقدر ہو چکا ہو اور ذلت جن کے نصیبوں میں لکھ دی گئی ہو جن کے حصہ

خسارہ ہی خسارہ لکھ دیا ہو ۔ دنیا گئی ، عزت گئی ، زندگی گئی ۔ خاندان برباد ہوا اور ہمیشہ کے لیئے دوزخ

اس سے علیحدہ ، نہ دنیاوی زندگی ہی بن سکی ۔ نہ زندگی میں اطمینان نصیب ہوا ۔ نہ آرام اور چین ۔ شاہی محل میں بھی نصیب نہ ہوا لاکھوں انسان بندوقیں لیئے پہرہ دیتے ہیں ۔ اندر نیند نہیں آتی اور اگر گرفت الٰہی اس سے شدید ہوتی تو وہ حال ہوا جو چشم عالم دیکھ رہی ہے اور پوری دنیا کی عبرت کے لیئے میں سمجھتا ہوں بہت کافی واقعہ ہے اولم یھدی للذین ۔۔۔۔ یرثون بعد

پھر جو یہ پہلوں کے جانشین بنتے ہیں ۔ پچھلے لوگ جن شہروں کو انہوں نے نہیں بسایا جن زمینوں کو انہوں نے زراعت کے قابل نہیں بنایا جن سڑکوں کی تعمیر انہوں نے نہیں کی اور جن ایجادات کو انہوں نے ایجاد نہیں کیا ۔ اُن سے فائدہ تو حاصل کرتے ہیں ۔ یہ کیوں نہیں سوچتے جنہوں نے ہماری یہ ساری چیزیں بنائی تھیں وہ کہاں ہیں وہ کیوں انہیں استعمال نہیں کرتے ۔ بنانے والوں کو قضا و قدر اپنے اپنے مقامات پہ اپنے اپنے اوقات میں لے کر چلی گئی جہاں انہوں نے جانا تھا چلے گئے جو کچھ بنایا تھا اُسے چھوڑ گئے ۔ مکانوں کے وارث بھی نئے پیدا ہو گئے اور مال کے وارث بھی نئے لوگ آ گئے ۔ شہروں میں بسنے کے لیئے بھی نئی پود آ گئی ۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں ان نئے آنے والوں کے لیئے پہلوں کا جانا کیا کافی عبرت نہیں ہے ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اپنے پہلے پیش رو کی حالت سے پچھلا آنے والا کیوں بے خبر ہو جاتا ہے ۔ اُس کی ہدایت کے لیئے بیٹے کی اصلاح کیلیئے باپ کا مر جانا ہی کافی ہے جس نے کتنی محنت سے مشقت سے اُس کے دیکھتے دیکھتے گھر بنایا جائیداد اکٹھی کی ۔ پیسے کمائے ۔ بھاگا دوڑا ، دور و نزدیک سفر کیا اور جب بیٹا کمانے کے قابل ہوا تو اُسے کھانے کی فرصت نہ ملی ۔ پھر ورثا میں دولت تقسیم ہونے لگ گئی ۔ او چھوڑ کر چل دیا اولم یھد للذین یرثون الارض ۔ جو لوگ زمین میں باپ کے وارث بنتے ہیں اور اپنے پہلوں سے چارج لیتے ہیں وہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ان پہلوں کا جانا ان کے لیئے عبرت کا سبب کیوں نہیں بنتا ان لو نشاء اصبنٰھم بذنوبھم اگر ہم چاہتے تو ان کی برائیوں کے سبب سب ہی کو ہلاک کر دیتے ۔ یہ پھر اللہ کریم فرماتے ہیں میری پھر عنایت ہے کہ تمہاری نسل تو باقی ہے قومیں تباہ ہوئیں ، غرق ہوئیں ۔ پھر میں نے نئے سرے سے تمہیں زمین پر بسایا ، آباد کیا اور پھر تمہارے لیئے اُن پہلوں کو عبرت کا نشانہ نہ بنا دیا تو حضرت فاروق اعظم کا ایک مقولہ ہے کہ بہترین انسان وہ ہے جسے دوسروں سے سبق حاصل ہو ، نہ یہ کہ وہ خود دوسروں کے لیئے سبق کا سبب بن جائے ۔ " دوسروں کے لیئے

خود سبق کا ذریعہ نہ بنے۔ بلکہ اپنے سے پہلوں کی حالت دیکھ کر خود عبرت حاصل کرے۔ اچھا انسان وہ ہے اور پھر فرمایا ہم پکڑ بھی لیتے ہیں۔ اللہ کی گرفت پڑی ہے۔ انسان اگر لڑائی کرتا رہے اور نیکی کی طرف راغب نہ ہو، توبہ نہ کرے، ایمان درست نہ کرے نطبع علی قلوبھم فھم لا یسمعون تو اللہ کی طرف سے عجیب سزا مسلط کر دی جاتی ہے اللہ کریم فرماتے ہیں نطبع علیٰ قلوبھم ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ دل یادِ خدا سے بیگانہ ہو جائے۔ اللہ کریم نے سب سے پہلی گرفت جو بدکاروں کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے نطبع علیٰ قلوبھم ہم اُن کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں فھم لا یسمعون۔ اُن میں سُننے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ جب دل نہیں سنتا تو کانوں کے سُننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا اثر ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس مملکت جسم کا حکمران جو ہے مطلق العنان وہ دل ہے جو دل چاہتا ہے سارا جسم وہی کرتا ہے۔ ہاتھ وہی کام کرتے ہیں۔ دماغ اسی کو سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ پاؤں اُسی طرف اُٹھتے ہیں۔ نگاہ اُسی شئے کو دیکھتی ہے جو دل کو پسند ہوتی ہے تو اللہ کریم فرماتا ہے کہ اگر کوئی میری نافرمانی پر اصرار ہی کرتا رہے۔ تو میں اس کے دل کو اپنی ذات سے کاٹ دیتا ہوں۔ یعنی اپنی تجلیات سے محروم کر دیتا ہوں۔ اپنے فیوض و برکات اس پر سے بند کر دیتا ہوں اور اس پر مُہر ہو جاتی ہے۔ پھر اُس کے دل پر کسی نصیحت کا اثر ہی نہیں ہوتا وہ سنتا ہی نہیں تلک القرآن نقص علیک من انبائھا ان اہل دیہہ کا، ان بستیوں والوں کا۔ ان بستیوں کا ان شہروں کا میں آپ سے قصہ بیان فرما رہا ہوں ولقد جاءتھم رسلھم بالبینٰت ان کے پاس بھی پیغمبر معجزات اور دلائل لے کر مبعوث ہوئے تھے فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل۔ لیکن انہیں اپنے رواج کی پابندی کھا گئی۔ کہ جس چیز کا ہم ایک دفعہ انکار کر بیٹھے۔ جو ہماری تہذیب سے متصادم ہے ہم اُس کو نہیں مانیں گے۔ کذٰلک یطبع اللہ علیٰ قلوب الکفرین۔ کافروں کے دلوں کے لیئے ان کی اپنی تہذیب ہی مُہر بن جاتی ہے وہ اُسے چھوڑنا گوارا نہیں کرتے اپنی بنائی ہوئی اقدار پہ جان دے دیتے ہیں اور اللہ اور اللہ کی مقرر کی ہوئی اقدار کو اپنانے سے باز رہتے ہیں۔ یہی اُن کے دلوں پر مُہر بن جاتی ہے جس طرح آج بھی ہے کہ سنت کو چھوڑ کر بدعات پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے تو ناک کٹ جائے گی۔ شادی اگر اس طرح سے ہوئی تو ہماری رسوائی ہوگی۔ ہمارا جنازہ اگر اس طرح سے ہوا تو رسوائی ہوگی پھر اپنی شان سمجھتے ہیں، بدعات ہیں، رسومات ہیں، برائیاں ہیں، پیسہ بھی ضائع کرتے ہیں اور اللہ کی قسم ہوتا یوں ہے کہ لوگ مزے سے کھا کر بھی جاتے ہیں

دو گنی تنقید بھی کرتے ہیں ۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ
ہزاروں کے میلے جو لگتے ہیں وہ کبھی مطلق بھی گئے ہوں
وہ یہ بھی کہتے ہیں اس نے یوں کمی کردی یہ کیا فلاں کو نہیں
دیکھ سکا ۔ کتنی سہولت، کتنی آسانی اور کتنی عزت ہے
اتباع شریعت میں ۔ اگر کس قدر سادگی ہے لیکن حیرت
ہے انسان نے جو چیزیں اپنے اوپر خود مسلط کر لی ہیں
ان کی تکلیف سہتا ہے، دُکھ سہتا ہے ۔ مال برباد
کرتا ہے اور وقت ضائع کرتا ہے اور عزت کو بھی برباد
کر کے چھوڑتا ان اقدار کو نہیں ۔ کیوں نہیں چھوڑتا
اللہ کریم فرماتا ہے انہیں اقدار کے ساتھ اسے محبت
ہوتی ہیں تے اس کا دل اپنی ذات سے توڑ کر
اُنہی کے ساتھ پیوست کر دیا ہے یہ ہے اس کے
دل پر مہر کا لگ جانا وَمَا وجدنا لاکثرھم من
عھد اور ان میں کوئی بھی باوفا نہیں اللہ کریم فرماتے
ہیں ہم نے پھر کسی کو باوفا نہیں پایا پھر
یہ زبانی زبانی توبہ کرتے رہتے ہیں ۔ پچھلی برسات میں
جب شدید بارشیں ہوئی تھیں جس سال ۔ تو لوگوں کے
مکان گرنے لگے، سامان ایک دوسرے کے گھروں
میں گھسیٹتے پھرتے ہیں ۔ اندر داخل ہونے کی جگہ نہیں
رہی ۔ تو مسجد کے پاس سے گزرتے تو گلے سے کہتے
یا اللہ میری توبہ ہے یا اللہ میری توبہ ہے نماز پڑھنے
کے لیے اندر داخل نہیں ہوتے تھے بدکار ۔ یہ ہے
بدعہدی زبان سے کچھ کہنا عمل کچھ کرنا زبان سے

کہنا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دل میں ہزاروں غیر اللہ
کو جگہ دے دینا زبان سے کہہ دینا محمد رسول اللہ اور پیروی
کرنا یہود اور نصاریٰ کی
عملی زندگی میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں
کو پائمال کرنا کہ ہم حضورؐ کو نبی تسلیم کرتے ہیں ۔ اللہ کریم
فرماتے ہیں وما وجدنا اکثرھم من عھد ہم نے
ان غرق اور تباہ اور ہلاک ہونے والے لوگوں میں
اکثریت بدعہدوں کی پائی ہے جو کہتے تو اور ہیں اور کرتے
کچھ اور ہیں ۔ زبان کچھ کہتی ہے ہاتھ پاؤں کچھ کرتے ہیں ۔
زبان کچھ کہتی ہے دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے اللہ کریم
فرماتے ہیں ان میں وفا نہیں ہے وان وجدنا اکثرھم
لفٰسقین ۔ اور ان میں سے بیشتر کو ہم نے نافرمان ہی
پایا ۔ زبانی اطاعت کا دعویٰ کرتے ہیں اور عملاً نافرمانی
پر اُتر آتے ہیں وہ کام کرتے ہیں جن سے اللہ اور اللہ
کا رسولؐ منع فرما رہا ہے ایک وہ لوگ تھے جن کی سوچ
یہ تھی کہ ہم اگر تین ہزار بھی ہیں تو دو لاکھ سے لڑتے
ہیں کوئی بھی قباحت نہیں کہ اللہ کے رسول نے ہمیں
لڑنے کا حکم دیا ہے ۔ اور ایک اس دور کا انسان
ہے کہ خدا کا نبی تو کجا رہ گیا ۔ خود اللہ کی ذات کے سامنے
سر جھکانے کو تیار نہیں ہے ۔ جو خدا کے سامنے دلیر ہے
وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو کب جانے گا ۔ اور
کیسے کرے گا اور کس طرح کر سکتا ہے اور پھر اس پر
مزید حیرت یہ ہے کہ لوگ ان بے دینوں اور بدکاروں

کو بھی ولی بھی سمجھتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک آدمی صریحاً اللہ اللہ کا نافرمان ہے خداوند عالم کے پیغمبر کی سنت کا تارک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر عمل نہیں کرتا۔ اور ماننے والوں کو دیکھو وہ اُسے ولی اللہ سمجھتے ہیں یہ کیا ہے۔ اللہ کی طرف سے دلوں پر مُہر کر دی گئی ہے صحیح بات سمجھنے کی استعداد سلب ہو چکی ہے۔ اور جب انہوں نے اللہ کو چھوڑا تو خداوند عالم نے انہیں بدکاروں کے سپرد کر دیا۔ وہ انہیں لُوٹے پھرتے ہیں۔ اُن کا مال بھی کھاتے ہیں ان کی عزت برباد کرتے ہیں۔ ان کا وقت ضائع کرتے ہیں اور یقدم قومہ یوم القیامۃ فاوردھم النار پھر ان کے قائدین کر انہیں لے کر دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔

میرے بھائی سارے کی ساری بہتری خواہ آپ اسے دنیاوی کہیں یا دینی کہیں ہر طرح کی بہتری اور برکات جو ہیں وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہیں۔ ایمان باللہ میں ہیں۔ تقویٰ میں ہیں نیکی میں ہیں۔ بھلائی میں ہیں اور اچھائی میں ہیں اور بُرائی ہر دو عالم میں خسارا پیدا کرتی ہے۔

عُمریں گھٹا دیتی ہے، رزق گھٹا دیتی ہے۔ اطمینان ختم کر دیتی ہے اور بے چینی کو انسان پر مسلط کر دیتی ہے۔

خداوند عالم ہمیں اللہ جل علیٰ شانہ کی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

☆: ہر نفس کا قاعدہ ہے کہ لذت اور سہولت کا طالب ہے۔ اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر حق کی طرف توجہ سے غافل رکھتا ہے:

(ا۔ع۔ت)

☆۔ عقل غلام ہے اور شریعت سُلطان۔ پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں میں ہاں سُن کر بادشاہ کی بات کو مانا جائے اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے۔ غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

☆۔ مخلوق کے عیوب پر نظر نہ ہونا فی نفسہٖ بڑی نعمت ہے۔

(ا۔ع۔ت)

☆: اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کسی قسم کی ایذا ظاہری و باطنی حضور یا غیبت میں نہ پہنچے

(ا۔ع۔ت)

عفو و درگزر

ایچ ، ایم بشیر - لندن

جہاں چند آدمی مل جل کر رہتے ہیں وہاں اختلاف پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے ۔ کیونکہ ہر شخص کی سوچ جُدا اور پسند و ناپسند کا معیار مختلف ہوتا ہے اس بنا پر باہمی معاملات میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے ۔ اس کے ردِ عمل کے اعتبار سے آدمی بالعموم دو قسم کے پائے جاتے ہیں ایک وہ جن کے ساتھ زیادتی ہو جائے تو انتقام لینے کی تدبیریں سوچتے ہیں بلکہ بدلہ لینے کی فکر میں گھلتے رہتے ہیں اور حد یہ ہے کہ بدلہ لینے کے بعد بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس انداز سے سوچتے ہیں کہ بھول جانا انسان کی فطرت ہے ۔ اس لئے جوانمردی یہ ہے کہ ایسے آدمی کو معاف کر دیا جائے اور اس سے درگزر کیا جائے ۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں رویّے اتنے مختلف ہیں کہ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو ایک جیسا نہیں سمجھا جا سکتا لازماً ان دونوں میں سے ایک تو بہتر ہوگا اور دوسرا گھٹیا مگر یہ فیصلہ کرنا کہ کونسی قسم اچھی ہے اور کونسی بُری بڑا مشکل کام ہے ۔ کسی شخص کی رائے میں انتقام لینے والا آدمی اچھا اور بہادر سمجھا جائے گا ۔ کوئی شخص معاف کرنے والے کو فراخدل اور باہمت قرار دے گا اس لئے کوئی فیصلہ نہ ہو پائے گا ۔ آسان طریقہ یہ ہے خالقِ انسان ہی سے پوچھ لیا جائے کہ تجھے کونسی قسم کے آدمی پسند ہیں جو اسے پسند ہیں وہی اچھے ہیں ۔

اللہ تعالےٰ کے صفاتی نام اس کے وصف کے مظہر ہیں ۔ اس کی صفت یقیناً بہترین وصف ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب میں اپنی صفت کہیں تو غفار بیان کی ہے لیکن غفار اور کہیں غفور اور کہیں عفو ۔ اور یہ الفاظ قرآن کریم میں ایک دو بار نہیں سینکڑوں مرتبہ استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ جہاں تک رب اور بندے کا باہمی تعلق ہے بندے سے غلطیاں ہوتی ہیں اور رب معاف کرتا رہتا ہے بلکہ یہاں تک کہ جس درجے کی غلطی ہوتی ہے اسی درجے کی معافی کا اعلان ہوتا ہے مثلاً انسانی غلطی کے تین درجے ہیں ظالم ، ظلّام اور ظلوم اللہ تعالےٰ نے اسی نسبت سے اپنی صفت عفو کے تین درجے بیان فرمائے اور اپنی کتاب میں اپنے تینوں نام بیان فرما دئیے وہ یوں کہ ظالم کے مقابلے میں غافر ، ظلّام کے مقابلے میں غفّار اور ظلوم کے مقابلے میں غفور جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے میرے گنہ گار بندے تو جس درجے کی زیادتی کرے گا اسی کے مقابلے میں میری بخشش تیرے گناہ دھونے کے لئے موجود ہوگی ۔ اس لئے میری درگاہ سے مایوسی کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ کی صفت تو بیان ہو گئی مگر بندے کے لیے اس میں کیا راہنمائی ہے تو حضور اکرم ﷺ جن کو رحمۃ للعالمین بنا کے بھیجا گیا ہے ارشاد فرماتے ہیں تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اپنے اندر وہ صفات اور وہ عادتیں پیدا کرو جو اللہ کے صفاتی ناموں سے ظاہر ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ انسان کسی صفت میں اللہ کی برابری کر سکے لہذا اس سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی صفات کی جھلک جو مخلوق کے ظرف کے مطابق اس میں سما سکتی ہے اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنی صفت عفو کو جو سینکڑوں بار بیان فرمایا تو اگر اللہ کا کوئی بندہ زندگی میں ایک بار بھی اپنے بھائی کو معاف نہیں کر سکتا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر کی اور اللہ سے اس کا تعلق کیا رہا۔

معافی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے یہیں تک نہیں رہنے دیا بلکہ عجیب انداز میں اس کی وضاحت بھی فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم (سورۃ النور آیت ۲۲)

"یعنی بندوں کو چاہیئے کہ اپنے بھائیوں کی غلطیاں کیا کریں اور ان سے درگزر کیا کریں" کیوں؟ کیا معاف تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تمہاری غلطیاں معاف کرے۔ اب سوچیئے کہ ایسا شخص کون ہے کس کی یہ جرأت ہے کہ کہے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اللہ میرے گناہ معاف کرے بندہ تو ہر وقت اللہ کی بخشش کا محتاج ہے تو اللہ نے آسان نسخہ بتا دیا کہ تم اپنے بھائیوں کی غلطیاں معاف کرو میں تمہارے گناہ معاف کردوں گا کتنا سستا سودا ہے۔

عفو اور صفح میں فرق ہے اللہ نے دونوں کے کرنے کا حکم دیا ہے عفو تو ہوتا ہے معاف کر دینا مگر دیکھا گیا ہے کہ لوگ معاف تو کر دیتے ہیں مگر بعد میں ساری عمر طعنے اور الاہنے دیتے رہتے ہیں تو فرمایا کہ معاف یوں کرو کہ اسے پوری طرح بھول جاؤ پھر طعنے اور الاہنے بھی نہ دو۔

دوسرے مقام پر فرمایا فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین (المائدہ - ۱۳)

یعنی انہیں معاف کر دے ان سے درگزر فرما اللہ ایسے مخلص بندوں کو پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے"

لیجیئے ایک اور سودا ہے تم بندوں کو معاف کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ کتنا سستا سودا ہے۔ اللہ جو رب العالمین ہے اپنے بندے سے محبت کرنے لگے جو ہر طرح اس کا محتاج ہے کتنی بڑی سعادت ہے بندے کی اور کتنا بڑا مقام ہے اس بندے کا اس سودے سے اب بھی کوئی ہچکچائے تو اس کی محرومی کی انتہا نہیں۔

اس مقام پہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ بندے کا اس مقام تک پہنچنا شیطان کو ہرگز گوارا نہیں اس کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ بندے کو اس راہ پر قدم رکھنے ہی نہ دے وہ اسے انتقام کی پگڈنڈی دکھا کر اس پر چلانا چاہتا ہے اور بندے کو اصل راہ سے ہٹانے کے طرح طرح کے

جتن کرتا ہے۔ مثلاً وہ کان میں پھونکتا ہے کہ معاف کر دینا تو بزدلی کا ثبوت ہے اسے کہو کہ دلیری اچھی چیز ہے مگر بندہ اگر اللہ کے مقابلے میں دلیر ہونے لگے تو اس میں کیا تک ہے کہاں بندہ اور کہاں رب کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ بات وہی بنی جو پنجابی میں کہتے ہیں "ذات دی کونکڑری تے شہتیراں نوں جپھے" شیطان کو سناؤ الا تحبون ان یغفر اللہ لکم۔

اس بزدلی سے اگر اللہ کی مغفرت حاصل ہوتی ہے تو اس بزدلی پر سو جان سے قربان ہونا چاہیئے۔

کبھی وہ کہتا ہے تیرا عزیز مارا گیا۔ کیا تو اس کا خون بیچے گا؟ شیطان سے کہو ہاں ضرور بیچوں گا کیونکہ یہ سودا نفع کا ہے۔ بچے کا خون بیچ کر اللہ کی محبت اللہ کی رضا خریدوں گا۔ شیطان جی! اب بتاؤ یہ سودا نفع کا ہے یا نہیں۔ ہمارے بزرگوں نے تو اپنی جان اور اپنے بیٹے اللہ کی محبت کے لئے بیچ دئے تھے حضرت خنساء ایک خاتون تھی بوڑھی بیوہ چار بیٹے تھے اس کو اطلاع ملی کہ چاروں شہید ہو گئے کہنے لگی الحمد للہ قیامت کے روز شہیدوں کی ماؤں میں میرا نام لکھا جائے گا

اس عفو و درگذر کا منظر اس جماعت میں دیکھو جو نبی کریمؐ نے ۲۳ سالہ محنت سے تیار کی تھی دشمن کے سینے پر بیٹھے ہیں گردن کاٹنے لگے ہیں وہ منہ پر تھوک دیتا ہے سینے سے اٹھ کر اسے چھوڑ دیتے ہیں کہ پہلے میں دین کی خاطر تجھے قتل کرنے لگا تھا۔ اب اپنی ذات درمیان میں آگئی اپنی ذات کے لئے انتقام لینا مومن کے لئے زیبا نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود ایک روز اپنے غلام کو مارنے لگے۔ پیچھے سے آواز آئی ٹھہرو۔ چنانچہ رک گئے مڑ کے جو دیکھا تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑی حضورؐ نے فرمایا تمہارا زور جو اس غلام پر چلتا ہے اس سے زیادہ اللہ کا اختیار تجھ پر چلتا ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کے بعد ساری عمر کبھی غلام کو سزا نہیں دی۔ ایک صحابی نے حضورؐ سے پوچھا غلام کو غلطی پر کتنی دفعہ معاف کرنا چاہیئے حضورؐ خاموش رہے انہوں نے پھر پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا ہر روز ۷۰ مرتبہ۔

عفو و درگذر کے متعلق اللہ کے احکام یہ ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ ہیں اور حضور کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرامؓ کا معمول یہ ہے۔ اور شیطان کی کوشش اس کے بالکل الٹ ہے کہ انتقام کی آگ بھڑکائے اور شیطان جو جنوں میں سے ہے وہ تو نظر نہیں آتا۔ لیکن وہ شیطان جو آدمی کی شکل میں ہوتے ہیں۔ اور مشیر اور خیرخواہ بن کر آدمی کو اس راہ پر لگاتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ان سے ہوشیار رہنا اور بھی ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ جو شخص اللہ کے ساتھ یہ سودا کرنا چاہتا ہے کہ بندوں کو معاف کر کے اللہ کی مغفرت کا حقدار بن جائے اور اللہ کی رضا حاصل کرے وہ بڑا ہی دانشمند اور سعادت مند ہے۔

اللھم اجعلنا منھم

—٭—

از۔ مولانا نور محمد اعظمی
بنگلہ سے ترجمہ
مولانا محمد ھارون اسلام آبادی

اسلام کے چند معاشی اصول

پیشِ نظر مضمون مولانا نے بسلسلہ ترجمہ وتشریح مشکوٰۃ المصابیح بنگالی زبان میں تحریر فرمایا ہے، چونکہ مضمون مختصر ہونے کے باوجود اسلامی معاشیات سے متعلق اہم مباحث پر مشتمل ہے اس لیئے خاکسار نے اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ (مترجم)

زیرِ نظر مقالہ میں متفرق طور سے اسلام کے بتائے ہوئے ان حدود و اصول کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو انسان کے معاشی مسئلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن کو پیشِ نظر رکھ کر اسلام کے معاشی نظام کو مستنبط کیا جا سکتا ہے۔

(۱)

اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اس لیئے دولت کو انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر قرار دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال روزی کا طلب کرنا دوسرے درجہ کا فریضہ ہے۔" اور یہ بھی فرمایا "فقر انسان کو کفر تک پہنچا سکتا ہے"، بایں ہمہ اسلام دولت کو منتہائے مقصد قرار نہیں دیتا۔ انسانی زندگی کا منتہائے مقصد انفرادی اور اجتماعی اخلاقی ترقی اور آخرت کی بہبود ہے کسی چیز کا ضروری ہونا اور بات ہے اور اس کا مقصد ہونا اور بات۔ مسافر کے لیئے زادِ راہ بہت ہی ضروری ہے۔ لیکن زادِ راہ قطعاً اس کا مقصود نہیں ہوتا۔ یہ ہے اسلامی اقتصادیات کا وہ بنیادی نظریہ جو ہر حال میں پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

(۲)

اللہ تعالےٰ نے نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے وہ اس کا رب یعنی پالنے والا بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم کے شروع ہی میں اس نے اپنے آپ کو رب العالمین کے نام سے موسوم کیا ہے اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "زمین میں ایسا کوئی جاندار نہیں جس کی روزی کا ذمہ دار اللہ نہ ہو"۔ (ھود) اسی ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانی زندگی کی تمام ضروریات کو اپنی اپنی جگہ مناسب طور پر پیدا کر رکھا ہے قرآن مجید میں ہے (الف) بے شک ہم نے تم کو زمین میں بسایا ہے اور اس میں تمہارے لیئے سامانِ زندگی پیدا کیا ہے مگر تم ہو بہت کم شکر گزار"۔ (اعراف ۱۰)

(ب) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو اور آسمان سے پانی اتارا پس اس سے نکالا پھلوں کو بطور تمہارے رزق کے اور اس نے کشتیوں کو تمہارے تابع فرمان بنایا تاکہ وہ تم سے اور تمہارے سامانِ تجارت سے لدی ہوئی) سمندروں میں چلیں اس کے حکم سے اور اس نے تمہارے کام میں لگایا دریاؤں کو اور کام میں لگایا تمہارے لیے سورج اور چاند کو رواں دواں کر کے اور کام میں لگایا تمہارے لیے رات اور دن کو الغرض اس نے تم کو دیں وہ تمام چیزیں جو تم نے چاہیں۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔ (ابراہیم)

(۳)

اسلام منصفانہ تقسیم دولت کا علمبردار ہے وہ چاہتا ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق انصاف کے فطری اصولوں کے مطابق ملے رزق اور دولت میں انسانوں کے درمیان مکمل برابری اسلام کی نظر میں نہ قابلِ عمل ہے اور نہ موافق مصلحت۔ اس سلسلے میں ارشادِ خداوندی ہے (الف) اللہ ہی رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے وہ چاہے اور (رزق) تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے وہ چاہے" (عنکبوت ۶۲) (ب) نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا (زخرف ۳۲) "ہم نے حیات دنیا میں کے لیے ان کے اسباب معیشت کو تقسیم کیا اور کسی کے مقابلہ میں کسی کو فوقیت دی تاکہ ایک دوسرے کو کام میں لگا سکے"۔ (ج) وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض سے بلند درجہ دیا تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے" (انعام ۱۶۵)

(۴)

اسلام شخصی آزادی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس کے نزدیک فرد ہی اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اور کوئی اٹھانے والا نہیں اٹھائے گا بوجھ دوسرے کا (یعنی ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں ملے گی) اس لیے اسلام انسان کو سیاسی آزادی کی طرح معاشی آزادی بھی عطا کرتا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے یہ آزادی ناگزیر بھی ہے البتہ وہ مال کے کسب و صرف کی ایسی حدود متعین کر دیتا ہے جو کبھی توڑی نہیں جا سکتیں لہٰذا اسلام میں شخصی آزادی سے مراد بے قید خود مختاری نہیں ہے۔

(۵)

اسلام نے سود رشوت جوئے کی کمائی، دھوکے سے مال حاصل کرنے ناپ تول میں کمی کرنے، غصب کرنے حکام کے متعلقہ آدمیوں سے تحفہ قبول کرنے اور صحت مند توانا آدمی کے کسی سے سوال کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح فحاشی و شرک کی مویدات اور ناپاک و حرام چیزوں کو ذریعہ معاش بنانے سے بھی منع کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

سود: (الف) احل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی اللہ نے حلال کیا خرید و فروخت کو اور حرام کیا سود کو (بقرہ ۲۷۵)

(ب) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو" اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو ہاں اگر تم سود سے توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارا راس المال مل جائے گا (ایسا اس لیے کیا گیا) تاکہ تم کسی پر ظلم نہ کرنے پاؤ اور نہ کوئی تم پر ظلم کرنے پائے۔ (البقرہ: ۲۷۹)

(ج) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود والے سود دینے والے سودی دستاویز لکھنے والے

اور اس پر گواہی دینے والے پر اور فرمایا کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں" (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

رشوت: (الف) اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے ایمان والو تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ اور نہ حکام کو (بطور رشوت) کچھ دو تاکہ تم کھا سکو لوگوں کے مال کا ایک حصہ ناحق حالانکہ تم کو اس بات کا علم ہے" (بقرہ: ۱۸۸)

(ب) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر" (ابن ماجہ)

(ج) دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے والے رشوت لینے والے اور اس شخص پر جو ان دونوں کے درمیان ثالثی کرتا ہو۔ (کنز العمال از مستدرک حاکم)

جُوا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَا اَیُّھَا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب، جُوا، بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر (لاٹری) گندی چیزیں ہیں اور شیطان کے کام سو تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ (مائدہ: ۹۰)

دھوکہ: الف اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ یعنی اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ مگر جو لین دین کے طریقے سے اور تمہارے فریقین کی رضامندی سے ہو (نساء: ۲۹)

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خبردار کسی کا مال اس کی دلی خوشنودی کے بغیر حلال نہیں (بیہقی، دار قطنی مشکوٰۃ) (ج) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کے پکنے کی صلاحیت ظاہر نہ ہو (بخاری و مسلم)

(د) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خرید و فروخت میں فریب کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ناپ تول: قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی "اے میرے بھائیو! ناپ اور تول انصاف سے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو (ھود۔ ۸۵)

غصب: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص کسی کی ایک بالشت برابر زمین غصب کرے گا اور بزور کھائیگا قیامت کے دن سات طبقے زمین اس کی گردن میں لٹکا دی جائے گی (بخاری و مسلم)

حکام کا ھدیہ قبول کرنا: (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللیث نامی ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا واپسی کے بعد اس نے حضورؐ سے کہا یہ مال آپ کا یعنی بیت المال کا ہے اور یہ مجھے ہدیتہً ملا ہے یہ سُنکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں تم میں سے کچھ لوگوں کو سرکاری کام پر مقرر کرتا ہوں تو بعض لوگ کام سے واپس آکر مجھ سے کہتے ہیں کہ" آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ تو کیوں نہ یہ شخص اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ خدا کی قسم اگر کوئی شخص اس طرح کی کوئی چیز لیتا ہے تو میدان حشر میں وہ اس کو اپنی گردن پر دوڑتا ہوا حاضر ہوگا (مشکوٰۃ)

(ب) خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین میں زکواۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا ابوہریرہؓ کو ابن اللتبیہ والا واقعہ یاد نہ تھا اور اپنے عمل کے دوران ہدایا و تحائف قبول کیئے لیکن جب وہ مدینہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے یہ مال بحق سرکار ضبط کر لیا۔

(کتاب الاموال)

سوال کرنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "طاقتور اور صحیح سالم آدمی کے لیئے سوال کرنا حلال نہیں" (ترمذی بحوالہ مشکواۃ)

حرام اور فحاشی کی ممانعت:

(۱) حدیث میں ہے کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے حرام کر دیا شراب کو، مُردہ جانور کو، سؤر کو اور مُورت کی خرید و فروخت کو (بخاری و مسلم بحوالہ مشکواۃ)

(ب) حضرت ابو مسعودؓ انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے زنا کی کمائی اور نجومی کے معاوضہ کو (بخاری و مسلم بحوالہ مشکواۃ)

(ج) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کتے کی قیمت اور گانے کا معاوضہ کھانے سے (شرح السنہ بحوالہ مشکواۃ)

(۶)

اسلام نے ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیا ہے یعنی روزمرّہ کی ضروریات کو اس نیت سے ذخیرہ کرنا کہ اگر گرانی بڑھے گی تو زیادہ نفع کے ساتھ بیچوں گا بالخصوص قحط کے بارے میں کھانے کی چیزوں کے ذخیرے کرنے کو اصطلاح شرع میں احتکار کہا جاتا ہے احتکار سے انسان کی انسانیت کھو جاتی ہے۔ اور احتکار اس کی درندہ صفتی کا پتہ دیتا ہے۔

(ا) ارشاد خداوندی ہے: تم اچھا سلوک کرو ماں باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب کے پڑوسیوں، ہم مجلسوں، مسافروں اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ (نساء: ۳۶) اور احتکار ان کے ساتھ اچھا سلوک کے بجائے بُرا سلوک ہے۔

(ب) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ مجرم ہے (مسلم بحوالہ مشکواۃ)

ماہنامہ **المرشد** چکوال (ضلع جہلم)

کی اشاعت صرف دینی۔ اصلاحی۔ اور روحانی اصلاح ہے اس میں کوئی تجارتی اشتہار بھی نہیں حالانکہ جائز طور پر اشتہار دیا جا سکتا ہے اس لئے سالانہ چندہ بھیجنے میں دیر نہ فرمایا کیجئے کیونکہ ادارہ کو کافی زیربار ہونا پڑتا ہے۔　(مدیر)

(ج) آپ نے دوسری حدیث میں فرمایا: جو شخص گرانی کے زمانے میں فروخت کرنے کی نیت سے کسی چیز کو چالیس دن تک اپنے پاس روکے رکھے وہ اللہ سے بیزار ہو گیا ہے اور اللہ بھی اس سے بیزار ہو گیا (رزین بحوالہ مشکوٰۃ)

اور ہمارے فقہائے کہا کہ اگر ذخیرہ اندوزی سے بازار میں گرانی پیدا ہو گئی ہو اور لوگوں کو ضرر پہنچ رہا ہو تو حکومت پر واجب ہے کہ ذخیرہ اندوز اور اس کے اہل وعیال کی ضرورت کی مقدار غذائی اجناس کو چھوڑ کر باقی اجناس کو فروخت کرنے کا حکم دے اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرے تو حکومت خود اسے فروخت کر دے اور اس کو مناسب سزا دے (درمختار، باب الحظر والاباحۃ)

(۷)

تمام حالات میں اسلام تعیین نرخ (پرائس کنٹرول) کا حکم نہیں دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے لیکن اگر سرمایہ دار ظلم پر آمادہ ہو جائیں اور ایک غیر معتدل طریقہ اختیار کرنے سے گرانی بڑھ جائے تو ماہرین کے مشورے سے حکومت تعیین نرخ کر سکتی ہے (درمختار، باب الحظر والاباحۃ) یہ غیر متوازن طریقہ اختیار کرنا یا تعدی کرنا جیسا کہ صاحب مال یعنی فروخت کنندہ کی طرف سے ہو سکتا ہے ویسا ہی وہ اس زمانے میں خریدار کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے (پٹ سن کی قیمت خریداروں ہی کی طرف سے موسم سرما میں گرا دی جاتی ہے اس لئے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے

(۸)

اسلام نے فضول خرچی کو حرام قرار دیا ہے اگرچہ یہ فضول خرچی کسی نیک کام میں کیوں نہ ہو۔

(ا) اللہ تعالےٰ نے فرمایا: کھاؤ پیو مگر اسراف مت کرو اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف: ۳۱)

(ب) دوسری جگہ فرمایا: تم فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۲۶)

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو بشرطیکہ اسراف اور غرور تم کو نہ چھوٹے (البخاری)

(د) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو وضو میں ضرورت سے زائد پانی خرچ کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا۔ سعدؓ یہ اسراف کیوں؟ سعدؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! وضو میں بھی اسراف ہے؟ حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں ضرور۔ اگرچہ تم بہتی ہوئی ندی کے کنارے پر ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ نیک کام میں بھی اسراف ہے۔ (مسند احمد و ابن ماجہ)

(۹)

اسلام نے سونے چاندی کے برتنوں (یعنی سامان) کے استعمال اور مردوں کے لئے ریشم کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے اور اسی طرح ریشم کے کپڑے پہننے اور اس پہ بیٹھنے سے منع فرمایا (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

سے: ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ

اسلام ظاہری زیب و زینت میں حد سے زیادہ انہماک کو بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیتا بلکہ اسے بھی ایک گونہ اسراف ہی قرار دیتا ہے قرآن مجید میں ہے:

(الف) کیا تم ہر اونچی جگہ پر کھیلنے کے لئے نشان تیار کرتے ہو اور تعمیر کرتے ہو بڑے بڑے محل جیسے کہ تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے؟ (شعراء ۱۲۹)

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جو بھی خرچ کرتا ہے اس میں اس کو اجر ملتا ہے مگر جو خرچ کہ مٹی میں کرتا ہو" (ترمذی و ابن ماجہ)

(ج) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر عمارت اپنے مالک کے لئے باعث وبال ہے مگر جو نہایت ضروری ہو" (ابوداؤد)

۱۵

اسلام کسی ایک فرد یا چند مخصوص افراد کے ہاتھوں قومی دولت کے مرتکز ہونے کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ لہذا اسلام کسی حکومت یا ادارے کو ایسی پالیسی اختیار کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا جس کے نتیجے میں زمین، ملکی تجارت و صنعت یا دیگر ذرائع معاش چند افراد کے ہاتھوں میں محدود ہو جائیں بلکہ اس کے برعکس اسے زیادہ سے زیادہ افراد میں پھیلانے کا حکم دیتا ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے "اہل قری (یعنی بنی نظیر) کا جو مال اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو بطور فئی کے عطا کیا ہے وہ اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول کے لئے، رسول کے رشتہ داروں کے لئے یتیموں کے لئے، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ یہ مال گھوم پھر کر تمہارے دولت مند افراد کے ہاتھوں محدود نہ رہ جائے۔ (الحشر: ۷)

(۱۱)

اسلام نے انسان کے لئے حلال کمائی کو ایک فریضہ قرار دیا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کمانے کی طرف رغبت دلائی ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

(الف) جب نماز پڑھی جا چکی ہو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرتے رہو (الجمعہ)

(الف) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (ب) حلال روزی تلاش کرنا ایک فریضہ کے بعد دوسرا فریضہ ہے (شعب الایمان بحوالہ مشکواۃ)

(۱۲)

اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مال کو کسی نفع آور تجارت میں نہ لگا کر ذخیرہ رکھا جائے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مالدار یتیم کا والی بنا اسے چاہیئے کہ اس مال سے تجارت کرے اور اسے بیکار نہ چھوڑے رکھے تاکہ زکواۃ یا خرچ اسے کھا نہ جائے) (ترمذی بحوالہ مشکواۃ)

اسی طرح اسلام زمین کو بے آباد چھوڑے رکھنے کو بھی پسند نہیں کرتا اس کے علاوہ بنجر زمینوں کو آباد کرنے کی تلقین کرتا ہے اور بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنائے اور اس میں زراعت کرنے کا انتظام اس لئے مقرر کیا ہے کہ جو شخص کسی بنجر زمین کو اپنی محنت سے رقبہ کاشت کرے وہ زمین اسی کی ہو جاتی ہے۔

(۱۳)

کسب مال کے شرعی قوانین کی پابندی کے ساتھ جو شخص جو کچھ کسب کرتا ہے وہ اس کی ملکیت شمار ہوتی ہے چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے چوپائے کو پیدا کیا پھر وہ ان کے مالک بن رہے ہیں؟ (یٰسین ۷۱)

اسلام کا قانون میراث اسی پر مبنی ہے۔ اگر شخصی ملکیت تسلیم نہ کی گئی تو وارث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ حکم دیتا ہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کے حصے کے دوگونہ ہیں (نساء ۱۱) اسی طرح دوسرے رشتہ داروں کے حصے بھی بیان کئے گئے۔

(۱۴)

لیکن اسلام کسی ایسی چیز پر کسی انفرادی ملکیت تسلیم نہیں کرتا۔ جو انسانی اور حیوانی زندگی کی عام ضروریات میں سے ہو مثلاً آگ، پانی، اور خود رو گھاس جیسی اشیاء میں بلکہ اس کا جتنا حصہ جس شخص نے محفوظ کر لیا ہو بس اتنا ہی اس کی ملکیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

(الف) تین چیزوں میں سب مسلمان (انسان) برابر کے شریک ہیں، پانی گھاس اور آگ (ابوداؤد، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ)

اسی طرح کانوں (معادن) میں بھی کسی کی ملکیت قائم ہونے نہیں دیتا۔

(ب) حضرت ابیض بن حمال مآربی سے مروی ہے کہ انہوں نے دربار رسالتؐ میں یمن کے موضع مآرب کی نمک والی زمین کو اپنے لیے بطور جاگیر عطا کرنے کی درخواست کی۔ رسالت پناہؐ نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے وہ زمین ان کو دے دی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب ابیض حکم لے کر روانہ ہو چکے تو آنحضرتؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپکو معلوم ہے کہ آپؐ نے ابیض کے لئے کیسی زمین مخصوص کر دی؟ آپ نے تو ان کو بہتا ہوا پانی یعنی نمک کی کان ہبہ کر دی ہے راوی کہتے ہیں تب حضورؐ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ (کتاب الاموال حدیث ۶۸۲)

(۱۵)

مال جس نے جو کچھ حاصل کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافۃً اور بندوں کی طرف سے نیابت حاصل کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف سے تو اپنے کو سب کا رازق بنایا اور دوسری طرف مال و دولت عنایت فرمائی ہے چند افراد کو جس سے معلوم ہوا کہ ان دولت والوں نے اللہ کی طرف سے خلافۃ اور بندوں کی طرف سے نیابتہ وصول کیا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ایمان لاؤ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور دو تم اس چیز پر اللہ نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا (حدید ۷)

(۱۶)

اسلام کسی فرد کو اپنی کمائی ہوئی دولت سے تن تنہا فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس سے اپنے رشتہ داروں کی خبر گیری، غریبوں اور مسافروں کی اعانت کا حکم دیتا ہے اور اپنے حوائج ضروریہ سے زائد ہوتے پر یہ کام اس پر لازم کر دیتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام زکوٰۃ ہے یہاں یہ یاد رہے کہ زکوٰۃ میں نقود کی زکوٰۃ اموال تجارت کی زکوٰۃ، بھیڑ بکری وغیرہ مویشی کی زکوٰۃ اور عشر یعنی مسلمانوں سے وصول کردہ لگان سب داخل ہیں غریب زدہ اور آفت رسیدہ افراد کی امداد و اعانت کے لیے اسلام نے صرف زکوٰۃ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ و رسولؐ نے بے شمار آیتوں اور حدیثوں میں مالداروں کو غریبوں کی اعانت و امداد کی طرف نہایت مؤثر انداز میں توجہ دلائی ہے

(۱۷)

اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی پیٹ بھر کے کھائے اور

کوئی فاقہ مست رہے، بنا بریں اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالداروں پر محتاجوں کے کچھ حقوق مقرر کر دیئے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین واٰتی المال علےٰ حبہ ذوی القربٰی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب و اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ۔

یعنی صرف یہی نیکی نہیں کہ تم (نماز) میں اپنے چہرے کو مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ نیکی تو اس کی نیکی ہے جو ایمان لایا اللہ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر، سب کتابوں پر، پیغمبروں پر اور مال سے محبت کے باوجود اسے خرچ کیا رشتہ داروں پر یتیموں پر مسکینوں پر مسافروں پر مانگنے والوں پر اور قیدیوں کے چھڑانے میں اور جس نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ (البقرہ: ۱۷۷)

یہاں پر اللہ تعالےٰ نے ان اقسام پر مال صرف کرنے کا ذکر الگ فرمایا ہے اور زکوٰۃ کا ذکر الگ جس سے صاف معلوم ہوا زکوٰۃ کے علاوہ بھی ان کے مال میں محتاجوں کا حق ہے (ترمذی و ابن ماجہ، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ)

دوسری حدیث میں ہے مومن نہیں وہ جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کے پڑوس میں اس کے پڑوسی فاقہ کریں (شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ) ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس کھانے پینے کا سامان زائد ہو وہ اس کو دے جس کے پاس یہ سامان نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ بیت المال کی مدد کو محتاجوں کے رفع حاجت کے لیئے ناکافی ہوئی تو یہ فریضہ دولت مندوں پر عائد ہوتا ہے۔ دولت مند افراد مد زکواۃ کے غیر سے ان کی رفع حاجت کریں گے تو حکومت ان کو اس پر مجبور کرے گی اس لیئے کہ شریعت کی نگاہ میں وہ اس وقت ظالم ٹھہریں گے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلوانا حکومت کا فریضہ ہے چنانچہ شرح شرعۃ الاسلام میں امام کے فرائض کے متعلق کہا گیا ہے ولا یدع فقیرا فی ولایتہ الا اعطاہ ومدیونا ولا قضی عنہ دینہ ولا ضعیفا الا اعانہ ولا مظلوما الا نصرہ ولا ظالما الا منعہ عن الظلم ولا عاریا الا کساہ کسوتہ۔

یعنی امام اپنی ولایت کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے اور نہ کسی قرضدار کو قرضدار باقی رکھے اور کسی کمزور کو بے مددگار چھوڑے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور نہ کسی ننگے کو کپڑے پہنائے بغیر رکھے (اسلام کا نظام اقتصادیات ص: ۱۲۹)

(۱۸)

اگر کسی معاشرے اور حکومت کی کوتاہی سے صورتحال ایسی پیدا ہو گئی کہ بھوک پیاس یا سردی و گرمی سے کسی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسرے کے مال سے اپنی جان کی حفاظت کرے اگرچہ صاحب مال کی رضا کے بغیر ہو اگر اس نے ایسا نہ کیا اور ہلاک ہو گیا تو گنہگار رہے گا (ہدایہ باب الکراہتہ درمختار باب الحظر والاباحتہ)

(۱۹)

اسلام کی نگاہ میں محنت بھی ایک قسم کی دولت ہے

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بی بی کا حقِ مہر بذریعہ محنت ادا فرمایا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے کافر قیدیوں کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے۔

اس نقطۂ نگاہ کی بنیاد پر اسلام مزدوروں اور مالکوں کو اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(۱) مزدوروں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ مالک کی خیر خواہی کریں اور پوری دیانت داری سے متعلقہ کام انجام دیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر الکسب کسب العامل (اذا نصح) یعنی بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے اگر اس نے مالک کی خیر خواہی کے ساتھ کام کیا ہو (مسند احمد)

(۲) مالک کو کہتا ہے کہ (ا) مزدور کو کام میں لگانے سے پہلے اس کی مزدوری متعین کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن استیجار الاجیر حتی یبین لہ اجرہٗ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدور کو اس کی اُجرت متعین کرنے سے پہلے کام میں لگانے سے منع فرمایا ہے (بیہقی) (ب) یہ کہ مزدور کو مناسب اُجرت دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں کے خلاف لڑوں گا ایک قسم وہ لوگ ہیں جو مزدور سے کام تو پورے کا پورا لیتے ہیں لیکن ان کو مناسب اُجرت نہیں دیتے (بیہقی) (ج) یہ کہ مزدور کی اُجرت بلا تاخیر ادا کی جائے حضور نے فرمایا اعط الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ یعنی مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی اُجرت مزدوری ادا کر دو (بخاری و مسلم)

(د) یہ کہ مزدوروں کی صحت کا خیال رکھا جائے فی المحلی والمستعملہا فیھا بحسناتہ ویطیقانہ بلا اضرار بھما یعنی مزدوروں پر اس قدر کام کا بوجھ ڈالے جسے وہ آسانی سے انجام دے سکتا ہو اور جو ان کی طاقت کے مطابق ہو تاکہ ان کو ایسا کام نہ کرنا پڑے جو ان کے لئے مضر ہو (المحلی کتاب الاجارہ، اسلام کا نظام اقتصادیات)

(۳)

اسلامی حکومت میں جس نے اپنے کو عوامی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہو اس کے لیئے اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ حاجت مند نہ ہو تو عوامی خزانہ سے کچھ نہ لے بلکہ للّٰہ رضاکارانہ طریقے سے کام کرے اور اگر وہ حاجت مند ہو تو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیئے اس قدر وظیفہ لے جو عام لوگوں کے معیار زندگی سے متفاوت نہ ہو اسلامی نقطہ نگاہ سے ایسا کارکن والئ یتیم کی مانند ہے اور یتیم کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف یعنی جو حاجت مند ہو وہ مناسب مقدار میں کھائے (النساء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد حدیثوں میں خلفاء راشدین کی عملی زندگی میں اس اصول کی واضح مثالیں ملتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے ہمارے سرکاری کام کا کوئی ذمہ لیا ہو اگر اس کی بیوی نہ ہو تو (سرکاری خزانہ سے) نکاح کر سکتا ہے اگر اس کے پاس مکان نہ ہو تو ایک مکان بنوا سکتا ہے اگر اس کے پاس خادم نہ ہو تو اس ایک خادم

خادم لے سکتا ہے جو شخص نقد یا اونٹ (جنس کی شکل میں اس سے زیادہ لے گا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اسے خائن (یا فرمایا) چور بنا کر اٹھائے گا (کتاب الاموال حدیث نمبر ۶۵)

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی فرماتے ہیں کہ بیت المال کے بارے میں میں اپنے کو والیٔ یتیم کی طرح سمجھتا ہوں کہ اگر مجھے حاجت پیش نہ آئی تو کچھ نہ لوں اور اگر حاجت پیش آئی تو مناسب مقدار میں لوں پھر اگر حالت درست ہو گئی تو وصول کردہ رقم بھی واپس کر دوں، (طبقات ابن سعد) آپ بیت المال سے جو کچھ لیتے تھے وہ آپ کے درج ذیل بیان سے ظاہر ہے آپ نے فرمایا:

"عوامی دولت سے جو میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ گرمی و سردی کے لیئے دو جوڑے کپڑے حج وعمرہ کے لیئے ایک سواری اور اپنے اہل وعیال کے لیئے قریش کے ایک متوسط الحال گھرانے کی طرح خورد و نوش کے لیئے روپے، امیروں کی طرح بھی نہیں اور بالکل بھکاری کی طرح بھی نہیں" (کتاب الاموال حدیث ۶۶۹)

خلیفہ سوم حضرت عثمان رض کی حالت چونکہ بہتر تھی اس لئے وہ بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے البتہ کبھی کبھی کچھ لے کر اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دیتے تھے گویا وہ بھی عوام ہی کے ہاتھوں میں دے دیئے جاتے تھے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی رض کرم اللہ وجہہ نے باوجود حاجت ہوتے کے کبھی (مداومت کے ساتھ) بیت المال سے کچھ نہ لیا (کتاب الاموال حدیث نمبر ۶۶۸)

خلفاء کے علاوہ دوسرے سرکاری عاملوں کا بھی حال تھا فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن سعید کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا اور ان کے لیئے روزانہ دو درہم یعنی ماہوار پندرہ روپے سے کچھ زائد وظیفہ مقرر کیا (اسد الغابۃ بحوالہ حاشیہ کتاب الاموال حدیث ۱۷۰) اور خلفائے راشدین نے بھی اپنے ماتحت کے عاملوں کے بارے میں یہی انداز قائم رکھا۔

(۱۱)

اس مشینی دور سے پہلے اسلامی اقتصادیات کے تمام قوانین وضوابط کی پابندی کے بعد کسی کے پاس اتنی دولت کا جمع ہونا قریباً ناممکن تھا کہ جس کا برا اثر معاشرہ یا ملک کی عام اقتصادی حالت پر پڑتا ہو۔ اس مشینی دور میں بظاہر اس کا امکان موجود ہے لیکن سود سے مبرا اقتصادی پالیسی پر عمل کرنے اور فقرہ ۱۰ کے بتائے ہوئے اصول کی سختی کے ساتھ پابندی کرنے سے یہ امکان بھی ختم ہو سکتا ہے ہماری کسی اسلامی مملکت کے لیئے شخصی املاک کے تو میانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اسلام کے اقتصادی احکام کی خلاف ورزی کے نتیجے میں کسی کے پاس دولت کے افراط ہو گئی ہو تو اس کو محدود کر کے یا عوام کی حد تک اس کو ضبط کرنے کا حق حکومت کو حاصل ہے حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں اس کی نظیر ملتی ہے آپ نے ہدیہ قبول کرنے والے ایک عامل کا مال بحق سرکار ضبط کر لیا تھا اس بنا پر کہ عامل کے لیئے ہدیہ قبول کرنا ناجائز تھا۔

(اب ہمارے ملک میں بینکنگ یعنی سود کی بنیاد پر جو مفرط دولت جمع ہوئی اس کا ضبط کرنا کیوں ناجائز ہو گا۔؟

—— ✻ ——

تصوّف اور اُس کی حقیقت

از فیض الرحمٰن اسلام آباد

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا فرمایا۔ جو کہ اشرف المخلوقات ہے۔ وہ چاہتے تو ہمیں کسی اور ذی روح (درندے، پرندے، چرندے وغیرہ) کی شکل میں پیدا فرما دیتے۔ پھر مزید شکر کی بات یہ ہے کہ:-

۱۔ ہمیں پیدائشی طور پر اسلام کی دولت سے نوازا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کا شرف بخشا

۲۔ ہمیں عملی زندگی کی طرف رہنمائی فرمائی یعنی نماز، روزہ حج، زکوٰۃ اور دیگر فرائض و واجبات ادا کرنے کی توفیق بخشی۔

۳۔ تصوف جیسی نعمتِ عظمیٰ حاصل کرنے کی توفیق دی۔ یہ وہ دولت ہے جس سے بہتر دونوں جہان میں اور کوئی شئے نہیں ہے۔

جب اُس کی نوازشات کا یہ عالم ہے تو ہمارے لئے لازم ہے کہ اُس کے تمام احکامات کی پوری طرح تعمیل کریں تاکہ ہماری طرف سے ایسی کوئی کوتاہی نہ ہو۔ کہ کسی نعمت میں کمی کر دی جائے (خدانخواستہ) عام قاعدہ ہے کہ جو چیز جتنی مہنگی ملے انسان اتنی ہی اُس کی حفاظت زیادہ کرتا ہے۔ جیسے سونا وغیرہ حالانکہ استعمال کے لحاظ سے وہ کوئی اتنی ضروری چیز نہیں کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہ رہ سکے۔ برخلاف اس کے جو چیز سستی ملے یا مفت حاصل ہو۔ تو انسان کو اتنی قدر نہیں ہوتی خواہ وہ چیز انسانی زندگی کے لیئے کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو جیسے پانی اور ہوا وغیرہ۔ چونکہ ہمیں سلوک جیسی نایاب دولت مفت مل گئی ہے۔ اس لئے ہمارے اندر تشکر و امتنان کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ جو کہ ہونا چاہیئے تھا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نعمتیں تو پیدائشی حق ہی تھا۔ یا اگر وہ ہمیں نہ دیتا تو اور کس کو دیتا؟۔

چونکہ یہ دور بڑا ہی پُر فتن ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُستاد مکرم جیسی شفیق ہستی کو ہمارا شیخ بنا دیا۔ جو کہ ہر کھوٹے اور کھرے سکے کو قبول کر کے اللہ اللہ کرنے کا طریقہ بتا دیتے ہیں ورنہ اگلے بزرگوں کے واقعات تو معلوم ہی ہیں کہ سالکین کو شاگردی میں لینے سے پہلے طرح طرح سے آزمایا کرتے تھے اور کئی سال بعد جا کر باقاعدہ شاگرد بناتے۔ حضرت ابوبکر شبلی رح کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ کہ جب حصول معرفت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بہت قیمتی چیز ہے تم اس کی قیمت ادا نہ کر سکو گے

شبلیؒ نے عرض کیا کہ میں قیمت ادا کرنے کے لیئے تیار ہوں شیخ نے فرمایا۔ کہ اگر درویشی اور فقیری حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اُس کی خاطر امارت و وزارت چھوڑنا پڑے گی۔ شبلیؒ نے عرض کیا کہ بسر وچشم چنانچہ امارت و وزارت چھوڑ کر حصول معرفت میں مشغول ہو گئے شیخ نے کافی مدت تک گندھک بیچنے کی ڈیوٹی لگادی۔ (کیونکہ اس کی بدبو بڑی سخت ہوتی ہے۔ اور کوئی نزدیک نہیں آنا چاہتا) جب دیکھا کہ اب کچھ مجاہدہ ہوگیا ہے اور دماغ سے امیری کی بُو نکل گئی ہے۔ تب کہا کہ اب تم خیرات کرلایا کرو۔ لوگ خیرات تو کم دیتے لیکن پتھر مارتے اور مذاق خوب اُڑاتے ایک مدت کے بعد جب شیخ نے دیکھا کہ اب باقی امیری کی بُو بھی نکل گئی ہے۔ تب اللہ اللہ کرنے کا طریقہ بتایا۔ غرضیکہ ذکر اذکار شروع کرانے سے پہلے بھی سخت مجاہدات کرائے جاتے۔ اور بعد میں تو مجاہدات کی شدت اور سختی اور بھی بڑھا دی جاتی۔ برخلاف اس کے ہمیں نہ تو کسی امتحان سے گذرنا پڑا۔ اور نہ ہی مجاہدات کرنے پڑے۔ اس لیئے اس نعمت کی قدر و قیمت کا پورا پورا احساس پیدا نہیں ہوا۔

آخر میں چند گذارشات اور تجاویز عرض کی جائیں گی۔

تصوف کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اس راہ پر قدم رکھنے سے پہلے اس کا جواب معلوم کرنا ضروری ہے۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ ہر فن کی حقیقت اہل فن ہی سے معلوم کرنی چاہیئے اس لیئے اس سوال کا جواب اکابر صوفیہ کرام سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تصوف کی تعریف مشہور کتب تصوف سے

(۱) کشف المحجوب[1] (سید علی بن عثمان ہجویریؒ)

دل کی صفائی ولایت ہے۔ جس کی ایک علامت اور روایت ہے۔ اور تصوّف بے شک صفائے باطن کی حکایت ہے۔ پس صفا کے معنی روشن اور واضح ہیں۔ اور تصوف اس مفہوم کی حکایت ہے اس درجے پر صوفیوں کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل۔ صوفی

دوم۔ متصوّف

سوم۔ مستصوّف

صوفی وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور ذاتِ حق کے ساتھ باقی ہو۔ اور طبعی تقاضوں کے قبضے سے آزاد ہو کر حقیقت باطن سے پیوستہ ہو۔

متصوّف۔ وہ ہے جو ریاضت و مجاہدہ سے اس مقام (صوفی) کی جستجو میں غرق ہو۔ اور ہر امر میں صوفیہ عظام کا طریق زندگی ملحوظ خاطر رکھتا ہو۔

مستصوّف وہ ہے۔ جو مال و متاع اور جاہ امارت کی نگہداشت کے لیئے اپنے آپکو صوفیہ کی طرح بنائے رکھنے میں مشغول ہو۔ اور ان دونوں مقامات سے مطلقاً آگاہ نہ ہو مشائخ نے فرمایا ہے مستصوف صوفیہ کے خیال میں مکھی کی مانند ذلیل ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اُن کی رائے میں ہوا و ہوس ہے۔ اور دوسرے لوگ اُسے لالچی بھیڑیئے کی طرح سمجھتے ہیں جس کی ساری دوڑ دھوپ کسی کے چیرنے پھاڑنے اور مردار خوری کی غرض سے ہوتی ہے پس صوفی اصل میں واصل باللہ، متصوّف طریقت کے اصولوں کا پابند اور مستصوف یکسر فضول و بیہودہ ہوتا ہے۔

[1] ترجمہ و تہذیب ابو النعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ الڈیشن ۱۹۶۲ء۔

صوفی کا مفہوم اور صوفیہ کرام :-

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں صوفی جب لب کشا ہوتا ہے۔ تو اس کا ارشاد اُس کی حقیقت حال سے یکسر عیاں ہو جاتا ہے اور جب خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ تو اُس کا عضو عضو اُس کی جانب سے دینوی تعلقات کے ترک کا اعلان کرتا ہے۔ یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے۔ اُس کی کیفیت کلیتہً اُس کے موافق ہوتی ہے اور حالتِ سکوت میں اس کا عمل اُس کے ترکِ دنیا کا مظہر ہوتا ہے جب وہ کلام کرتا ہے تو اس کی بات یکسر حق ہوتی ہے اور جب سکوت اختیار کرتا ہے تو اس کا فعل سراپا درویشی ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ تصوف ایک صنعت ہے جس میں بندہ قائم ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ صفت بندہ کی ہے یا خدا کی؟ اُنہوں نے فرمایا۔ وہ حقیقت میں خدا کی اور بظاہر بندے کی صفت ہے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں۔ تصوف تمام نفسانی خواہشات ترک کر دینے کا نام ہے اس کی دو قسمیں ہیں اوّل رسم، دوم حقیقت اگر خود صوفی حظِ نفس کو ترک کر دے تو یہ فنائے حظ ہے۔ جو حقیقت مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے یہ حظِ حقیقی ہے پس حظِ نفس ترک کر دینا بندے کا فعل ہے اور فنائے حظ یعنی حظِ نفس کا بندے کو ترک کر دینا خدا کا فعل ہے۔ بندے کا فعل مجاز ہے۔ اور خدا کا فعل حقیقت۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں۔ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روحیں بشریت کی ظلمتوں اور ہوائے نفس سے پاک و صاف ہو گئی ہوں اور حرص دنیا سے خلاصی پاکر خدائے برتر کے حضور صفِ اوّل میں کھڑے ہونے کا مقام حاصل کر چکی ہوں۔ انہیں حضرت کا ارشاد ہے۔ صوفی وہ ہے کہ کوئی شے اُس کے قبضے میں نہ ہو۔ اور نہ وُہ خود غیر اللہ کے قبضے میں ہو۔

حضرت ابن جلاءؒ کا ارشاد ہے۔ تصوف ایک ایسی حقیقت ہے۔ جس کی رسمی تعریف کوئی نہیں۔ کیونکہ رسمی تعریف معاملات میں خلقِ خدا کا حصہ ہے اور اس کی حقیقت خدا کا خاصہ ہے۔

حضرت محمد بن علیؓ بن الحسینؓ بن علیؓ ابن ابی طالب کا ارشاد ہے تصوف حسنِ اخلاق ہے پس جو شخص حسن اخلاق میں تجھ سے زیادہ ہے۔ وہ تصوف میں بھی تجھ سے برتر ہے یعنی تصوف خوش خُو ہوتا ہے جو زیادہ خوش خُو ہے۔ وہ زیادہ صوفی ہے۔ حسن اخلاق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک حق تعالےٰ سے دوسرا مخلوق سے۔ حق تعالےٰ سے حسن اخلاق یہ ہے کہ اس کی قضاء پر رضامندی کا اظہار کیا جائے۔ اور مخلوق سے حسن اخلاق یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے لئے اُس کی مصاحبت کا بار اُٹھایا جائے۔ اور اُس کے دیگر حقوق ادا کیئے جائیں

حضرت ابو محمد رتعشؒ فرماتے ہیں۔ صوفی وہ ہے جس کا عزم اس کے قدم سے آگے نہ بڑھے۔ یعنی دونوں ساتھ ساتھ حاضر ہوں دل وہاں ہو جہاں جسم وہاں ہو، جہاں دل۔ قول وہاں ہو جہاں قدم۔ قدم وہاں ہو جہاں قول۔ یہی دل کے حاضر ہونے کی علامت ہے۔

حضرت جنیدؒ کا ارشاد ہے۔ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے۔ یعنی سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف پوشی، سیر اور فقر۔

سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ہے کہ آپ نے خدا کی راہ میں اپنے بیٹے کو قربان کر دیا۔ رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیروی ہے کہ فرمانِ الٰہی پر رضامند ہو کر

اپنی جانِ عزیز نذر کر دی۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی پیروی ہے۔ کہ آپ نے کیڑوں کی جان لیوا مصیبت اور غیرتِ حق پر صبر کیا۔ اشارۃً حضرت ذکریا علیہ السلام کی پیروی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ آپ تین دن لوگوں سے محض اشارۃً بات کریں گے۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی ہے۔ کہ آپ اپنے وطن میں رہنے کے باوجود غریب الوطن تھے۔ اور اپنوں کے درمیان اپنوں سے بیگانہ رہے۔ صوف پوشی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی ہے کہ آپ کا لباس ادنیٰ ہوتا تھا۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی ہے کہ عمرِ عزیز تبلیغ حق کی خاطر سیاحت میں گذار دی آپ ایسے مجرّد تھے کہ پیالے اور کنگھی کے سوا کچھ بھی پاس نہ رکھتے تھے۔ جب کسی شخص کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا اور جب کسی اور کو انگلیوں سے خلال کرتے دیکھا تو کنگھی بھی پھینک دی۔ اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی پیروی ہے کہ جب حق تعالےٰ نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں سپرد حضور کر کے فرمایا۔ آپ ذرا تکلیف نہ اٹھائیں اور یہ خزانے صرف کر کے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا بار الہا! مجھے ایک دن سیر اور ایک دن بھوکا رکھنا یہی اصولِ معاملات زندگی میں بہترین ہیں۔

حضرت محمد بن احمد المقریؒ فرماتے ہیں۔ تصوف کے اصلی معنی یہ ہیں کہ صوفی کے تمام ظاہری و باطنی حالات حق سے وابستہ اور صحیح ہوں۔ یعنی صوفی کے حالات (کشف وغیرہ) اُسے اصلی حال (دیدارِ ذاتِ باری تعالےٰ) سے ماسوا اللہ کی طرف نہ پھیر دیں اور ٹیڑھی روش پر نہ ڈال دیں۔

حضرت ابو حفص نیشاپوریؒ کا ارشاد ہے۔ تصوف سارے کا سارا ادب ہے۔ کیونکہ ہر وقت، حال اور مقام کے لئے ایک ادب ہے۔ جو کوئی آداب اوقات بجا لانا اپنے آپ پر لازم قرار دے لے۔ اُس کی رسائی اللہ والوں کے مقام پر ہو جاتی ہے۔ جو شخص آداب کو ضائع کر دیتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ اپنے آپ کو نزدیک خیال کرتا ہے، دُور ہوتا ہے۔ اور اس حیثیت سے مردود ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو مقبول خیال کرتا ہے۔ یہ مفہوم حضرت ابو الحسن نوریؒ کے اس قول سے ملتا ہے کہ تصوّف محض رسوم و علوم کو نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ تو اعلیٰ اخلاق کا نام ہے۔ یعنی اگر تصوف کسی رسم کا نام ہوتا۔ تو وہ مجاہدے سے حاصل ہو جاتا۔ اگر کسی علم کا نام ہوتا۔ تو تعلیم سے میسر آجاتا۔ وہ تو محض اخلاق کا نام ہے

حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں۔ تصوّف اچھا خلق ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: خدا سے نیک برتاؤ۔ یہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اُس کے احکام ریاء کے بغیر ادا کیئے جائیں۔

دوم: مخلوق سے نیک برتاؤ۔ یہ اس طریق پر میسّر آتا ہے کہ بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، برابر والوں سے یکساں سلوک، اور سب سے انصاف روا رکھا جائے۔

سوم: اپنی ذات سے نیک برتاؤ۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ہوس اور نفس کی پیروی نہ کی جائے۔

جو شخص ان تین باتوں کے پیش نظر اپنے آپ کو درست کرے۔ وہ نیک خُلق ہوتا ہے یہ بات اس قول کے مطابق ہے کہ کسی نے حضرت عائشہؓ صدیقہ سے سے دریافت کیا۔ کہ ہمیں حضور کے خُلق کے متعلق خبر دیجیے

انہوں نے فرمایا۔ قرآن کا مطالعہ کرو۔ حضرت مرتعش رح یہ بھی فرماتے ہیں کہ طریقِ تصوف سراسر معقول ہے۔ اس میں فضول بات کی آمیزش نہ کرو۔ یعنی رواجی صوفیوں کے معاملات میں نہ الجھو۔ اور ان کے نقشِ قدم پہ چلنے والوں سے گریز کرو۔

حضرت ابو علی قزوینی رح کا ارشاد ہے تصوف برگزیدہ اخلاق کا نام ہے برگزیدہ اخلاق یہ ہیں کہ بندہ ہر حال میں خدا سے خوش رہے۔ اور اُس کی رضا پر راضی ہو۔

حضرت ابوالحسن نوری رح فرماتے ہیں۔ تصوف کیا ہے؟ آزادی، جوانمردی تکلف چھوڑ دینا، سخاوت اور دُنیا کا مال و زر خدا کی راہ میں صرف کرنا۔ آزادی یہ ہے کہ بندہ ہوا و ہوس کی قید سے آزاد ہو جائے۔ جوانمردی یہ ہے کہ جوانمردی کے دیکھنے سے بے تعلق ہو جائے۔ تکلف چھوڑ دینے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے متعلقات اور نصیب میں سعی و جہد نہ کرئے۔ سخاوت یہ ہے کہ دُنیا کو دنیا والوں کے لیئے چھوڑ دے۔

حضرت ابوالحسن ابوشیخہ رح کا ارشاد ہے۔ آج کل تصوف محض نام ہے۔ حقیقت کوئی نہیں۔ اور دورِ گذشتہ میں حقیقت تھی۔ نام نہ تھا۔ یعنی صحابہ رض اور سلف صالحین کے دور میں صوفی نام تو کوئی نہیں تھا۔ مگر اس کے معنی ہر شخص میں موجود تھے۔ عہدِ حاضر میں صرف نام ہے اور معنی موجود نہیں ہے۔ گویا اس دور میں صوفیہ کے معاملات معلوم تھے۔ اور تصوف کے دعوے سے کوئی آشنا نہ تھا اب تصوف کا دعویٰ تو بالعموم معلوم ہے مگر معاملات تصوف کی کچھ خبر نہیں۔

(ب) غنیۃ الطالبین[1]: شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

متصوّف تو وہ ہے جو صوفی بننے کے واسطے رنج اٹھانا اور کوشش کرتا ہے۔ اپنی کوشش اور مشقت سے صوفی کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔ صوفی اس کو کہتے ہیں۔ جو پاک ہوتا ہے پاکی یہ ہے کہ نفس کی آفتوں اور مذموم باتوں سے اپنے دل کو صاف کرے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ تصوّف یہ ہے کہ خدا کے ساتھ صدق دل سے معاملہ کرے۔ اور لوگوں کے ساتھ نیک خلق ہو۔ متصوّف اور صوفی کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ متصوّف ابھی مبتدی ہوتا ہے اور صوفی منتہی ہوتا ہے۔ متصوف کا وصل اپنے محبوب سے یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے راستہ میں سفر کے آغاز میں ہے۔ اور صوفی اس راستے کی مشقت اور محنت جھیل چکتا ہے اور اپنی منزلِ مقصود پہ پہنچا ہوا ہوتا ہے پس متصوف آدمی نے تو ابھی بوجھ کو اُٹھایا ہوا ہوتا ہے اور صوفی اس بوجھ سے سبکدوش ہوتا ہے۔ اور جب بوجھ اوپر سے اُتر جاتا ہے۔ اور اُس کا نفس خدا کی محبت کی آگ میں جل جاتا ہے۔ اور ہوا و ہوس اُس سے جاتی رہتی ہے۔ نہ اُس کو کوئی خواہش لاحق رہتی ہے۔ اور نہ اُمید رہتی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اس کا نام صوفی رکھا جاتا ہے اور جو مُرید متصوف ہوتا ہے وہ اپنے نفس اور شیطان کو فریب دیتا ہے اور ہوا و ہوس سے دور رہتا ہے اور دُنیا اور آخرت کے واسطے اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ شیطان سے مخالفت رکھتا ہے اور دنیا کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنے خواہشوں اور تمام

---

[1] ترجمہ: جناب مولانا احمد صاحب مدراسی۔ مطبوعہ۔ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار۔ لاہور۔ تاریخ اشاعت ۱۳۹۴ھ

اور عام لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور آخرت کی طلب میں مصروف ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے نفس کو ریاضت اور مجاہدہ میں ڈال دیتا ہے۔ اور خدا کے حکم کے موافق آخرت کی خواہش بھی چھوڑ دیتا ہے پس دونوں جہان سے الگ ہو کر میل کچیل سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے خدا کے واسطے ہی بالکل مخصوص کر دیتا ہے اور اس حالت میں تمام علائق اور اسباب اُس سے الگ ہو جاتے ہیں اور اہل اور اولاد اور اپنے قریبی بھی چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور اُن سے جُدا ہو جاتا ہے وہ خدا کی قضا پر راضی ہو جاتا ہے پس یہ آدمی تمام لذتوں سے فانی ہوتا ہے۔ یہ شخص جسم کے اعتبار سے تو مخلوق میں موجود ہوتا ہے اور کاموں اور عملوں میں اور اپنے ظاہر و باطن میں مخلوقات سے الگ ہوتا ہے پس اس حال میں اُس شخص کا نام صوفی ہے کیونکہ مخلوق کی کدورتوں سے وہ صاف ہوتا ہے۔ اور اگر چاہو تو اس کو خدا کے ابدالوں میں سے پکارو۔ اور اگر چاہو تو عارف باللہ کہو اور اگر چاہو تو عارف بہ نفس خود کہو۔

ان کے دل خدا کے اسراروں کے راز دار ہیں۔ یہ صرف خدا کی ذات ہی کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور اس کے سوا دوسری چیزوں سے انہوں نے مُنہ پھیر لیا ہے یہاں تک کہ اپنے نفس سے بھی متنفر ہیں۔ اور سب کے خالق اور مولا کے ساتھ دل لگایا ہوا ہے۔ یہ لوگ خدا کے قبضہ میں ہیں۔ اور اُس کے مضبوط قلعہ کی حراست میں رہتے ہیں۔ اور اپنی قربت کی خوشبو سے اُن کے دماغوں کو معطر کیا ہے توحید اور رحمت کے میدان میں یہ لوگ سیر کرتے پھرتے ہیں اور اسی حال میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور خدا کے سوا کسی غیر کی طرف مشغول نہیں ہوتے۔ جب یہ لوگ خدا تعالےٰ کے امینوں کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ تو اس وقت اُن کو امین کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ اور خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ آج تُو ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اور امین بن گیا ہے۔

(ج) عوارف المعارف[لہ]

(عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے لہٰذا جنت کی کنجی غریبوں اور صابر فقرا سے محبت کرنا ہے۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے ہمنشین ہوں گے۔"

اس طرح فقر تصوف کی اصل حقیقت میں داخل ہے وہ اس کی بنیاد اور لازمی جزو ہے۔

فقر کی تعریف:

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "فقر یہ ہے کہ حق کے سوا اور کسی چیز کی پرواہ نہ کی جائے۔"

لہ: ترجمہ حافظ سید رشید احمد ارشد ایم۔ اے۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز تاریخ اشاعت ۱۹۶۵ء

حضرت ابوالحسین نوریؒ نے فرمایا "فقر کی تعریف یہ ہے کہ مفلسی کے وقت مطمئن ہو۔ مال موجود ہونے کے موقع پر سخاوت اور ایثار سے کام لے۔"

تصوّف کی اصل حقیقت:

تصوّف، زہد اور فقر تینوں جُداگانہ چیزیں ہیں۔ تصوّف، فقر و زہد کے تمام معانی پر حاوی ہے۔ اور اس میں اُن دونوں چیزوں کے تمام اجزاء موجود ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے اوصاف کا بھی اضافہ ہے جن کے بغیر کوئی صوفی نہیں بن سکتا۔ خواہ وہ فقیر اور زاہد کیوں نہ ہو۔

حضرت ابو حفصؒ فرماتے ہیں "تصوف سراپا آداب کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہر وقت کے لیئے ایک ادب ہے اور ہر حال و مقام کے لیئے آداب مقرر ہیں۔ لہذا جس نے اوقات کے آداب کی پابندی کی۔ وہ انسانوں کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور جس نے آداب کو ضائع کیا وہ مقام قرب سے دور اور قبولیت کی توقع میں ناکام رہا۔"

ابو محمد الجریری کا قول ہے "تصوف اعلیٰ اخلاق کو اختیار کرنا اور پست اخلاق سے پرہیز کا نام ہے۔"

جب ہمیں تصوف کا یہ مفہوم معلوم ہو گیا کہ اس میں اخلاق تبدیل ہو کر اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ تصوف زہد و فقر سے بلند تر ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ فقر کی انتہا اپنی فضیلتوں کے باوجود تصوف کی ابتداء کے برابر ہے

فقر اور تصوّف میں فرق:

فقیر فقر کو اختیار کر کے اُسے بہت بڑی فضیلت سمجھتا اور اُسے دولت مندی پر ترجیح دیتا ہے۔ مگر ثواب و معاوضہ کی توقع اور اس کے زوال کا اندیشہ صوفیائے کرام کے طریقے میں کمزوری اور روحانی بیماری کی نشانی ہے۔ کیونکہ فقیر معاوضہ کی توقع رکھتا ہے اور اسی قدر مقصد سے اُس نے دنیا چھوڑی ہے۔ مگر صوفی کسی متوقع معاوضہ کے بغیر اپنے موجودہ حال و جذبہ کے مطابق تمام چیزیں چھوڑ دیتا ہے۔

مزید براں یہ بات بھی ہے کہ فقیر فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنی خوشی اور ارادہ کے ماتحت فقیری اختیار کرتا ہے۔ مگر صوفی کے مسلک میں ارادہ اور اختیار ایک بیماری ہے۔ صوفی صرف اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے ماتحت کام کرتا ہے اس کا اپنا کوئی مستقل ارادہ نہیں ہوتا۔ وہ فضیلت کو صرف فقر یا دولتمندی میں محدود نہیں سمجھتا بلکہ فضیلت اُسی چیز کو خیال کرتا ہے جس کی خدا توفیق دیتا ہے۔ کبھی وہ خدا کے حکم کے ماتحت فقر کے برخلاف آسودگی کی زندگی بسر کرتا ہے اور اسی آسودگی کو فضیلت سمجھتا ہے۔

فنا فی اللہ:

حضرت جنیدؒ رح فرماتے ہیں۔ تصوّف کا مفہوم یہ ہے۔ کہ حق تعالےٰ تمہاری نفسانیت کو مُردہ کر کے اپنے ساتھ تمہیں زندہ رکھے۔

حضرت ذوالنون مصری کا ارشاد ہے:

"صوفی وہ ہے جسے کسی چیز کی طلب تنگ نہیں کرتی اور نہ کسی چیز کی ضرورت اور اس کی نایابی اُسے پریشان کرتی ہے" اور نہ کسی چیز کی ضرورت اور اس کی نایابی اُسے پریشان کرتی ہے "مزید فرمایا۔ صوفیہ نے خدا کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے اس لئے خدا نے بھی ان کو سب پر ترجیح دی ہے"

مگر اس قسم کا علم تصوف فقیر و زاہد کے پاس موجود نہیں۔ کیونکہ زاہد و فقر ترکِ دنیا کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اور دنیاداری کو برا سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ظرف چھوٹا اور ان کا علم محدود ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا "صوفی وہ ہے کہ جب اس کے سامنے دو اچھی چیزیں آئیں تو وہ بہترین چیز کو اختیار کرے گا اس کے برعکس فقیر و زاہد دو اچھے اخلاق میں پوری طرح تمیز بھی نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ وہ چیز اختیار کریں گے جس کا ترکِ دنیا سے سب سے زیادہ تعلق ہو"

۵۔ حضرت رویمؒ فرماتے ہیں "تصوف یہ ہے کہ نفس کو خدا کی مرضی اور ارادہ پر چھوڑ دیا جائے"

۵۔ حضرت عمرو بن عثمان المکی رح کا ارشاد ہے۔

"تصوف یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اپنے وقت کے مطابق افضل کام میں مشغول رہے" کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے "تصوف کی ابتداء علم ہے اور اس کا اوسط درجہ عمل ہے اور اس کا آخری انجام بخششِ خداوندی ہے۔"

تصوف کی جامع تعریف:

تصوف کی حقیقت کے بارے میں مشائخ کے اقوال ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ تمام کو نقل کرنا موجبِ طوالت ہوگا۔ لہٰذا ہم اس کی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جو تصوف کے تمام معانی پر حاوی ہو۔ ہماری تعریف یہ ہے۔ "صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے۔ اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک و صاف رکھے۔ چونکہ وہ ہر وقت اپنے مولا کے سامنے سرِ نیاز خم کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اُس کی یہ نیازمندی اُس کا دل صاف کر کے کدورتوں کو دور کرتی ہے۔ تاہم جب کبھی نفسانی حرکات و صفات نمودار ہوتی ہے تو وہ صوفی اپنی بصیرتِ کاملہ سے اُسے بھانپ لیتا ہے اس وقت وہ خدا کی طرف راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔

(د) البنیان المشیّد (شیخ احمد کبیر رفاعی)

لفظ صوفی کی تحقیق:

لوگوں نے اس نام کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔ مگر اس کا سبب عجیب ہے۔ جس کو بہت سے درویش نہیں جانتے قبیلۂ مضر کی ایک شاخ کا نام بنو صوفہ ہے اور صوفہ غوث بن مر بن اد بن طانجہ ربیط کا لقب ہے ان کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا اس نے منّت

لہ: ترجمہ ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مطبوعہ مکتبہ تھانوی بندر روڈ کراچی

مانی - کہ اگر اُس کا کوئی بچہ زندہ رہا تو اُس کے سر پہ اُون کا ٹکڑا باندھ کر اسے خانۂ کعبہ کا خادم بنا دے گی یعنی اس کو خدمتِ خانہ کعبہ کے لیے وقف کر دے گی - چنانچہ چنانچہ غوث بن مر پیدا ہوئے اور زندہ رہے - تو اُن کے سر پر اُون کا ٹکڑا باندھ کر خانہ کعبہ کے لیے وقف کر دیا گیا جس کی وجہ سے اُن کا لقب بنو صوفہ پڑ گیا - یہ لوگ حاجیوں کی خدمت کرتے اور اُن کو خلعت دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے دین اسلام کا ظہور ہوا - تو یہ لوگ بھی اسلام لے آئے - وہ بڑے عبادت گذار تھے - اُن میں سے بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی روایت کی ہیں - تو جو لوگ اُن کی صحبت میں رہے یا اُن کی صحبت یافتہ جماعت کے ساتھ رہے اُن کا لقب صوفی ہو گیا - نیز جو لوگ اُن کی طرح عبادت میں مشغول رہے - اور اُونی کپڑے پہننے کے عادی ہو گئے ان کو بھی صوفی کہا جانے لگا -

درویشوں نے صوفی لقب پڑنے کے دوسرے اسباب بھی بیان کیے ہیں - کسی نے کہا تصوّف دل کی صفائی کا نام ہے - کسی نے کہا خلوصِ دل سے معاملہ کرنا تصوف ہے وغیرہ وغیرہ - اور معنی پر نظر کریں تو یہ باتیں بھی ٹھیک ہیں - کیونکہ خرقۂ تصوف پہننے والوں نے صفائے قلب اور صفائی معاملات کا بہت اہتمام کیا ہے -

آداب ظاہری کی تاکید:

صوفیہ (باطنی آداب کے ساتھ) ظاہری آداب کی بھی بہت رعائیت کرتے ہیں اُن کا قول ہے کہ ظاہری آداب سے باطنی آداب کا پتہ لگتا ہے نیز وہ فرماتے ہیں - کہ ادب ظاہری کی عمدگی ادب باطنی کی علامت ہے - نیز اُن کا قول ہے کہ جو شخص ظاہری آداب سے واقف نہیں - اُس پر باطنی آداب کے بارہ میں اطمینان و اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اقوال و افعال و احوال و اخلاق کے آداب سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں منحصر ہیں - صوفی کے ظاہری آداب ہی سے اُس کے مقام کا پتہ لگتا ہے تم اس کے اقوال و احوال و اخلاق کو شریعت کی ترازو میں وزن کرو - اس وقت تم کو اس کے وزن کا بھاری یا ہلکا ہونا معلوم ہو جائے گا -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا (یعنی آپ کے اخلاق و عادات قرآن کے مطابق تھے) اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں - ہم نے اس کتاب میں کسی بات کو نہیں چھوڑا (پس جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ معلوم کرنا چاہے - وہ قرآن کا مطالعہ کرے - اور اس کے موافق عمل کرنا شروع کرے) جو شخص آداب ظاہری کا التزام کرتا - (اور اُن کی پابندی کرتا ہے) وہ صوفیہ کی جماعت میں

داخل ہے۔ ان ہی میں اُس کا شمار ہوگا۔ اور جو آداب ظاہری کا پابند نہیں۔ وہ صوفیوں سے الگ ہے اُس کی حالت اس جماعت پر مخفی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ہم جنس ہونے کی علامت اور دلیل یہی ہے کہ اپنے ہم جنسوں کا طریقہ اختیار کرے۔ بلکہ اس جماعت میں شامل ہونے کی شرط یہی ہے رویمؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف سارے کا سارا ادب ہی تو ہے (یعنی جو شخص ادب سے خالی ہے۔ وہ تصوف سے دُور ہے) ادب جس کی طرف صوفیہ نے اشارہ کیا ہے۔ اُس سے مراد شرعی ادب ہے اگر رفتار وگفتار۔ اعمال۔ احوال و اخلاق سب کے سب شریعت کے تابع ہوں، تم شریعت کے پابند ہو جاؤ۔ پھر حاسد جو کچھ بھی تمہارے اوپر جھوٹ تہمت لگائے لگانے دو۔ اور جو اُس کے جی میں آئے کہنے دو۔

حقیقت کا بیان: ہم سب ننگے ہیں مگر جس کو اللہ تعالےٰ لباس پہنا دیں ہم سب بھوکے ہیں مگر جس کو اللہ تعالےٰ کھانا کھلا دیں۔ ہم سب گمراہ ہیں مگر جس کو اللہ تعالےٰ راہ پر لے آئیں۔ عاقل کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ تنگی اور فراخی جو کچھ بھی ہو، ہر حالت میں دروازہ کرم کو کھٹکھٹاتا رہے کیونکہ مخلوق سراپا کمزور، سراپا عجز، سراپا احتیاج وسراپا منیت ہی منیت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے پرہیزگار دوستوں کا اکرام فرمایا۔ اور اُن کے ہاتھوں سے خلاف عادت کام ظاہر کیے۔ اور ان کو اپنے عطا سے قوت دی۔ اُن کے نشان کو بلند کیا۔ تو یہ بندے ان سب سے نظر ہٹا کے اللہ ہی کی حمد و ثنا میں لگ گئے وہ اللہ سے ڈرے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُن کو اپنے قرب کی جنت میں جگہ دی۔ اور جب وہ اُس کی بارگاہ قرب میں پہنچے۔ تو اُن کا اکرام اس طرح کیا۔ کہ اپنے وجہ کریم کے دیدار سے اُن کو مشرف کیا۔

جس کو خدا مل گیا اُس کو سب کچھ مل گیا۔

جس کو خدا مل گیا۔ اس کو سب کچھ مل گیا۔ اور جس سے خدا چھوٹ گیا۔ اُس سے سب کچھ چھوٹ گیا۔ تم کو خدا کی قسم یہ معرفت جا رہی ہے۔ افسوس، افسوس اس کو لے لو۔ جو اپنے نفس سے اور اغیار سے نکل گیا اور طبیعت کے کروفر پر لات مار دی وہ جہل کی قید سے چھوٹ گیا۔ حقیقت وہ نہیں جیسا تم گمان کرتے ہو کہ اُونی جُبّہ ہو اور (سر پر) تاج ہو۔ اونچے کپڑے ہوں بلکہ معرفت یہ ہے کہ رنج وغم کا جبّہ ہو سچائی کا تاج ہو۔ توکل کا لباس ہو۔ (اگر ایسا ہو تو) بس تم عارف ہو گئے۔ عارف کا ظاہر شریعت کی چمک سے اور باطن محبت کی آگ سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ حکم کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے اور راستہ سے ہٹنے نہیں پاتا اس کا دل وجد کی چنگاریوں پر لوٹتا رہتا ہے اس کا وجد ایمان ہے اس کا سکون یقین ہے۔

خدا تعالےٰ اپنے ولی کا مددگار ہے:

ہم کو اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بنا کر اپنی طرف (مخلوق کو) بلانے کے لیئے پیشوا بنایا ہے جو ہمارا اتباع کرے گا نجات پائیگا جو اللہ تعالےٰ کی طرف ہمارے ذریعے سے رجوع کرے گا، فائدہ مند ہوگا حق بات کہنا پڑتی ہے (اس لیئے میں یہ بھی سُنا دینا چاہتا ہوں۔ کہ) ہم اہل بیت ہیں جو کوئی ہم سے کچھ چھیننا چاہے گا

اس کی دولت چھن جائے گی۔ اور جو کتا ہم پر بھونکے گا۔ اس کو خارشت ہو جائے گی (جس کے بعد کتا خود اپنے اوپر بھونکا کرتا ہے) اور جو ہم کو مارنے کا ارادہ کرے گا خود اسی پر مار پڑے گی۔ اور جو شخص ہماری دیوار سے اونچی دیوار بنائے گا۔ اس کا گھر ویران ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کی طرف سے خود (اُن کے دشمنوں کی مدافعت کرتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے ساتھ اُن کی جان سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں روحانی تجلیوں کا انکار کرنا اللہ تعالےٰ کی مدد سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالےٰ کی بات ٹل نہیں سکتی۔ اللہ وہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی۔ اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے اللہ تعالےٰ نیک بندوں کے کاموں کا بھی سرپرست ہے اور اُن کے منادی (مبلغ و نائب) کے کاموں کا بھی، اور جو اُن کی مجلس میں آتے جاتے ہیں اُن کے کاموں کا بھی۔ زندگی میں بھی اور اُن کے مرنے کے بعد بھی خواہ ان کو علم ہو یا نہ ہو۔ جب کوئی آدمی رحمدل ہوتا ہے۔ تو وہ سونے والے کا بدن (کھلا ہوا دیکھ کر) ڈھانپ دیتا ہے۔ اور اس سے ذکر بھی نہیں کرتا (اسی طرح سخی آدمی) محتاج کے پاس مال پہنچا دیتا ہے اور اُس کو خبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ تو سب سے زیادہ رحمت والا، بڑا مہربان، بڑی عظمت والا اور بڑا کریم ہے۔ وہ اپنے بندہ ولی کا بدلہ اس طرح لیتا ہے کہ اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ کی عنایت کے پہاڑ اُس کو (دنیاوی) کدورتوں اور طاقتوں کے دریا میں غرق ہونے سے بچاتے ہیں اور ولی سے اور اس کے چاہنے والوں سے (دنیا کی) طاقتوں کو دوسری طاقتوں کے ذریعے دفع کرتے رہتے ہیں خود اس کی طاقت سے نہیں۔ بلکہ اس کے واسطے اور مضبوط طاقتیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں کھول سکتا جس نے اللہ کی پناہ لی وہ محفوظ رہا۔ جو غیروں کے ساتھ لگ گیا پشیمان ہوا۔

ذکر اللہ کی تاکید اور اُس کا طریقہ:

بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو۔ کیونکہ ذکر وصالِ حق کی مقناطیس ہے قرب کا ذریعہ ہے جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔ ذکر اللہ محبت کی برکت سے دل میں جمتا ہے۔ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے ہم سے تعلق پیدا کرو۔ ہماری محبت آزمایا ہوا تریاق ہے۔ ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے اے رہم سے محجوب رہنے والے تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں۔ (تبلا!) اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں اور اخلاص ایک خطرناک راستے کے (پار) کنارہ پر ہے (اب بتلا) تجھے عمل کے لئے کون اُٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا؟ جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص (حاصل ہو جانے) کے بعد تجھے بے خوف و خطر راستہ کون بتلائے گا جاننے والوں سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے اللہ تعالےٰ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہ ہو جاننے والوں سے معلوم کرو۔ تو اپنے آپ کو اہل ذکر

میں سے سمجھتا ہے۔ اگر تو اُن میں سے ہوتا تو اُن سے محجوب نہ ہوتا۔ اگر تو اہلِ ذکر سے ہوتا تو فکر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا۔ تجھ کو تیرے اس حجاب ہی نے روکا (کہ مشائخ سے دُور دُور رہتا ہے) تجھ کو تیرے (دعویٰ) علم نے تباہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اے اللہ میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔" (اب بتلا۔ جس علم سے حضور نبی اکرم نے پناہ مانگی ہے اُس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے؟) اے محجوب۔ تو ہمارے دروازوں پر پہرہ دے۔ کیونکہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گزرے گا۔ وہ (تیرے لیے) ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا۔ کیونکہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے (اس لئے جو ہمارے پاس آتا ہے۔ اُس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے)

طریقت میراث نہیں بلکہ عمل سے حاصل ہوتی ہے:

تیرا یہ گمان ہے کہ طریقت تیرے باپ کی میراث ہے۔ تیرے دادا سے سلسلہ بہ سلسلہ چلی آرہی ہے تیرے شجرۂ نسب میں داخل ہو جائے گی۔ تو نے اس سرمایہ کو (طریقت) سمجھ لیا ہے کہ اُونی لباس ہو۔ ایک کلاہ ہو۔ ایک لاٹھی ہو۔ ایک گدڑی اور بڑا سا عمامہ ہو، بزرگوں کی سی شان وصورت ہو۔ نہیں خدا کی قسم۔ اللہ تعالےٰ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تیرے دل کو دیکھتا ہے۔ تیرے دل میں خدا کے اسرار اور اُس کے قرب کی برکت کیونکر ڈالی جائے کہ تو کلاہ۔ خرقہ۔ تسبیح اور عصا اور ٹاٹ کے حجابوں میں (گرفتار ہو کر) اللہ تعالےٰ سے غافل ہو رہا ہے یہ عقل کس کام کی جو نورِ معرفت سے کوری ہے؟ یہ سر کس کام کا جو جوہرِ عقل سے خالی ہے؟ اے بے ہودہ! تو نے تکبر کا علم حاصل کیا اور بڑائی کا سبق پڑھا ہے۔ تو نے بہت ہی بُرا کیا۔ تیری مثال بالکل ایسے ہے۔ جیسے کوئی گندگی کو گندگی چیز کے عوض خرید رہا ہو۔ تو آپ ہی اپنے کو کیونکر دھوکہ دے رہا ہے؟ اپنے متعلق اور اپنے ہم جنسوں کے متعلق کس طرح جھوٹی باتیں کرتا ہے؟

نوٹ: انشاء اللہ تعالےٰ دوسری قسط میں اُن چار بزرگوں کا مختصر تعارف کرایا جائے گا جن کی تصانیف سے چند اقتباسات پہلی اور دوسری قسط میں دیئے گئے۔ چوتھے قسط میں تصوف کے پرانے سلسلوں اور ہمارے سلسلہ کا مختصر موازنہ کیا جائے گا تاکہ اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے استاد المکرم کے ہاتھوں کون کون سی بنیادی قسم کی تبدیلیاں پیدا فرما دی ہیں ورنہ شاید ایک بھی آدمی راہِ سلوک پر نہ چل سکتا۔ کیونکہ اس دور میں تصوف کا حصول ناممکن ہو گیا تھا۔

نفس کی اصلاح

(از افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ واسعہ)

(ترتیب حافظ عظمت اللہ صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم کو تبلادیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔"

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو حکم بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ تم اپنی فکر کرو۔ دوسرا یہ کہ تم دوسروں کی فکر میں نہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں حکم بیان فرمانے کے بعد اپنے سے ڈرایا کہ تم کو اللہ کے پاس جانا ہے۔ سو دوسروں کی فکر کرنا تو کچھ ایسا گناہ نہیں جس سے ڈرانے کی ضرورت ہو ہاں البتہ اپنی فکر کرنا ایسی چیز ہے جس سے ڈرانے کی ضرورت ہے تو مطلب یہ ہے کہ چونکہ تم کو خدا کے پاس جانا ہے اس لئے تم اپنی فکر کرو اور غفلت میں نہ پڑو۔ اور اپنی اصلاح کرو۔

ہماری غفلت حد سے بڑھ گئی ہے۔ ہمارے اندر سینکڑوں خرابیاں ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اگر ہم اپنی حالت میں غور کریں تو ہمکو معلوم ہو کہ ہمارے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں۔ اس غفلت کے باوجود بھی ہر شخص جانتا ہے کہ میرے اندر بہت کچھ برائیاں ہیں لیکن اس کی فکر نہیں کرتا۔ اگر غور کرے تو اس کو معلوم ہو جائے کہ آخرت کی فکر کتنی ضروری ہے اور موت کتنی یقینی ہے مگر افسوس ہم نے اس کو بھلا دیا ہے کہ یاد دلانے سے بھی ہم کو یاد نہیں آتی نہ کسی کے کہنے سے مرنے کا خیال آتا ہے نہ کسی کو مرتے دیکھ کر موت یاد آتی ہے۔ اگر ہمارے سامنے کوئی شخص مرتا ہے اور ہم اس کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ قبرستان جاتے ہیں تو دفن کرنے کے بعد ہنستے کھیلتے چلے آتے ہیں۔ ہمارے دل پر ذرا بھی فکر نہیں ہوتی کہ یہ سفر آخرت ہمیں بھی پیش آنے والا ہے پس اگر ہم مطیع و فرمانبردار ہیں تو یہ سفر ہمارے لیئے رغبت اور شوق کا سفر ہوگا ورنہ وحشت اور خوف کا سفر ہوگا۔ سو تبلایئے ہم نے رغبت کے کیا سامان جمع کئے ہیں اور چھٹکارے کی کونسی صورتیں پیدا کی ہیں۔ کونسی عبادت کی ہے کتنے حق دوسروں کے ادا کر دیئے ہیں۔ آئے دن سینکڑوں خرافات کرتے ہیں ہزاروں گناہوں کے بوجھ میں دبے جاتے ہیں لیکن ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ کیا یہ مرض نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا اسکی

تدبیر ضروری نہیں ہے۔

صاحبو! یہ یاد رہے کہ جس قدر اس کی جانب سے غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائے گی۔ ایک بات ہو تو اس کا رونا رویا جائے ہماری تو جو حالت بھی ہے وہ رونے کے قابل ہے کس کس بات کی اصلاح کی جائے۔ ایک تو یہ مرض تھا جس سے کوئی بچا ہوا نہیں۔ دوسرا مرض وہ ہے جو دینداروں کے اندر زیادہ ہے کہ جب کبھی ان کی کوئی حالت قابلِ افسوس ان کو یاد دلائی جاتی ہے اور ان کی برائیاں ان کو دکھلائی جاتی ہیں تو فکر ہوتا ہے لیکن اس قدر کہ تھوڑی دیر رو لئے اور بس بیقرار ہو گئے بڑی ہمت کی تو ایک دو وقت کا کھانا چھوڑ دیا یا غم کی صورت بن کر بیٹھ گئے لیکن تدبیر کی جانب ذرا توجہ نہیں بلکہ اس غم کی حالت میں بھی اگر کوئی دنیا کا کام یاد آگیا فوراً اس میں لگ گئے۔ بھلا یہ کوئی فکر ہوتی۔ یہ تو اللہ میاں کو دھوکہ دینا ہوا خوب کسی نے کہا ہے ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے ونبی را بدرودے

یعنی تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جو نماز اور درود سے خدا اور رسول کو بہلانا چاہتے ہیں اور سچی طلب ان کے اندر بھی نہیں ہے بعض لوگ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ اپنی حالت پر پریشان رہتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں لیکن کبھی تدبیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی اگر کسی شخص کو دق کی بیماری کا پہلا درجہ شروع ہو جائے اور اسکو خبر بھی ہو جائے اور پریشانی بھی ہو جائے لیکن وہ صرف یہی کرے کہ جب کوئی اسے ملنے کو آئے اس کے سامنے رونا شروع کر دے اور دن رات کڑھا کرے مگر علاج کی طرف توجہ نہ کرے تو نتیجہ اس کا کیا ہوگا صرف یہی کہ دس پانچ روز میں دوسرا تیسرا درجہ بھی شروع ہو جائے گا اور آخر کار ایک روز خاتمہ ہو جائے گا۔

تو غلطی اس کی یہ ہے کہ پریشانی کو علاج سمجھتا ہے حالانکہ اس کی یہ تھی کہ روپیہ خرچ کرتا حکیم کے پاس جاتا کڑوی دوائیوں پر صبر کرتا۔ چاہے پریشانی کا اظہار کسی ایک کے آگے بھی نہ کرتا اسی طرح دل کی بیماریوں اور گناہوں میں بھی اصل تدبیر یہی ہے کہ کسی کامل اور پہنچے ہوئے کی خدمت میں حاضر ہو اور اس کے کہنے پر عمل کرے گناہوں سے پرہیز پر کمر باندھے اور نفس کے خلاف جو علاج بتلائے جائیں اُن پر صبر کرے اس تدبیر سے خدا نے چاہا تو چند روز میں سب روگ دور ہو جائیں گے اور اچھی عادتیں پیدا ہو جائیں گی ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اگر کوئی سچا طالب ہو تو اس کی مراد ضرور حاصل ہوتی ہے اور یار اس کے اوپر مہربانی کرتا ہے لیکن لوگوں میں طلب ہی نہیں ہے ورنہ علاج کے لئے طبیب تو موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نری پریشانی سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ دین ہی کے رنگ میں دین سے ہٹا رہا ہے۔ اس نے یہ بے ہودہ خیال دل میں جما دیا ہے کہ صرف رونا اور پریشان ہونا کافی ہے ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

عرفی کہتا ہے کہ اگر رونے سے وصال میسر ہو سکتا تو وصال کی امید میں سو سال رونا بھی آسان تھا۔ مگر کہیں رونے سے بھی وصال میسر ہو سکتا ہے۔

بہت لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ فلاں کام سے فراغت کر لیں تو پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کی تدبیر کریں کسی کو لڑکے کے نکاح کی فکر ہے کسی کو مکان بنانے کی فکر ہے

کسی کو جائیداد کا شغل ہے۔ ذرا غور کرو کتنے برس یہ کہتے ہوئے گذر گئے کہ اب کے سال کچھ ضرور کرلیں گے مگر آج تک کاموں کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ دنیا کی ہر ضرورت کا خاتمہ ایک نئی ضرورت پر ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ ایک دوسری ضرورت پر ہوتا ہے۔ آخر یہ عمر یوں ہی تمام ہو جاتی ہے۔ پس آج کل پر ٹالنے سے کیا فائدہ۔ ہمت کر کے کام شروع کر دینا چاہیئے خدا تعالےٰ خود مدد کریں گے کامل نہ ہوں گے تو خالی بھی نہ رہیں گے۔ اگر صدیق کا درجہ نصیب نہ بھی ہوا تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی ہو رہتے اور کچھ نہ ہوگا تو خدا تعالےٰ کے ساتھ ایک محبت اور لگاؤ دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کو گناہوں سے نفرت تو ضرور ہی ہو جائے گی۔ مگر افسوس ہماری یہ حالت ہے کہ روز یہی وعدہ رہتا ہے

کہ کل ضرور کرلیں گے مگر ساری عمر اسی کل کل میں گذرتی ہے اور کل نصیب نہیں ہوتی یہاں تک کہ موت کا وقت سر پر آجاتا ہے اور اس وقت سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں بن پڑتا اور اس وقت یہ آرزو کرتا ہے کہ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِیْ إِلٰی أَجَلٍ قَرِیْبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ کہ اے رب مجھے ذرا سی مہلت مل جائے تو میں کنہا مان لوں اور اپنی اصلاح کرلوں۔ مگر یہ آرزو رد کر دی جاتی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا کہ اب ایک دم کی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔ اور صاحبو ہم تو کیا چیز ہیں کہ ہم کو کچھ مہلت مل سکے حضرت سلیمان علیہ السلام جو کہ نبی معصوم اور مقبول ہیں انہوں نے جب بیت المقدس کو بنوانا شروع کیا تو کام کے ختم ہونے سے پہلے آپ کی وفات کا وقت آگیا تو آپ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ بیت المقدس کے تیار ہو جانے تک مہلت دی جائے لیکن قبول نہ ہوئی۔ غور کیجئے نبی کی درخواست اور بیت المقدس بنوانے کے لئے مگر نامنظور۔ آخر آپ نے یہ درخواست کی کہ مجھے اس طرح موت دیدی جائے کہ جنات کو میری موت کی اس وقت تک خبر نہ ہو جب تک یہ کام پورا نہ ہو جائے یہ درخواست منظور ہوئی اور عادت کے موافق لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اسی حالت میں روح قبض ہو گئی۔ پھر سال بھر تک آپ کی لاش اسی طرح کھڑی رہی جنات نے آپ کو زندہ سمجھ کر کام جاری رکھا۔ جب کام ختم ہو گیا تو اس وقت آپ کی لاش زمین پر گر گئی اور جنوں کو اس وقت آپ کی وفات کی خبر ہوئی اور آپ کی حالت دیکھ کر سمجھے کہ آپ کے انتقال کو اس قدر زمانہ گذر گیا ہے تو اس طریقہ پہ موت دینے سے کام بھی ہو گیا اور لوگوں کو یہ ہدایت بھی ہو گئی کہ جنوں کو بھی غیب کا علم نہیں۔ یہ واقعہ قرآن شریف کے اندر موجود ہے پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو خدا کا گھر بنانے کے لئے مہلت نہیں دی گئی تو ہم کو گناہوں کا گھر تیار کرنے کے لئے مہلت کب مل سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نہیں کام کا ارادہ کرنا چاہیئے اور کام کا ارادہ وہ ہے جس کے ساتھ کچھ کام بھی کیا جائے۔ نرا ارادہ بھی کافی نہیں ہے جب تک بزرگوں کی توجہ نہ ہو کیونکہ ارادہ کے پورے ہونے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ خدا تعالےٰ کی ہم پر توجہ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ بزرگ ہماری طرف متوجہ ہوں غرض نہ بغیر چلے کام چلتا ہے نہ بے رفیق کے سیدھا راستہ ملتا ہے دیکھو اگر کوئی اندھا کسی جگہ پہنچنا چاہے تو اول اسکو چلنے کی ضرورت ہے اگر چلے ہی نہیں تو ہزار ساتھی ملنے پر بھی راستہ طے نہ ہوگا۔ چلنے کے بعد رفیق اور ساتھی کی

(باقی صفحہ پر)

لاؤڈ سپیکروں کے شور کا عذاب

عبدالعزیز خالد

آج ساری روشن فکر اور باشعور دنیا شور سے برسرِ پیکار ہے۔ اس کو ختم، کم اور محدود کرنے کے لئے کیونکہ مسلمہ طبی اور حیاتیاتی نقطہ گاہ سے یہ ذہنی سکون جسمانی صحت، اعتدال عناصر اور سلامتی قلب کے لئے زہر قاتل کا درجہ رکھتا ہے اعصابی کھچاؤ پیدا کر کے، جذباتی تناؤ کو مہمیز دیکر، خون کے دباؤ کو بڑھا کر دل کی حرکت کو تیز اور نظام ہضم کو ابتر بنا کر، طبیعت میں ہیجان و خفقان، انتشار و اشتعال، جھونجھل اور جھنجھلاہٹ کی پیدائش و افزائش سے یہ انسان کی صلاحیت کار اور قوت برداشت کو منفی طور پر متاثر کرتا اور اس کے خون کو مسموم کر کے اس کے اندرونی قدرتی نظام تعادل و توازن کو درہم برہم کر کے اسے گونا گوں ذہنی اور قلبی عصبی اور عاطفی عوارض و امراض میں مبتلا کرنا اور اس کی پہلے ہی سے مخدوش، گریزپا اور فنا آمادہ زندگی کے سالوں کو کم کرتا ہے۔۔۔ وہ زندگانی جو نسدن ہر پل ہر چھن مرگ ناگہانی بے رحم زد میں ہے ؎

درائے غنچہ صدا می دہد بہ بانگ بلند
کہ کاروانِ چمن در کمیں کہ تلف است

صحیفہ ایوب علیہ السلام کی زبان میں

انسان جو عورت سے پیدا ہوا ہے تھوڑے دنوں کا ہے اور دُکھ سے بھرا ہے۔!

اس لئے حساس، بیدار مغز اور درد مند لوگ جنہیں زندگی عزیز ہے، جو حسن و جمال سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ جو اقدار و انوار کے شیفتہ ہیں جو خداوندِ تدبیر و فرہنگ و ہوش ہیں جنہیں ابنائے آدم سے محبت ہے جو اس کرۂ ارضی پر ابھی چند دن اور تندرست و توانا صحیح و سالم اور خوش و خرم دوپایوں کو چلتا پھرتا اور ہنستا بولتا اور دیکھنا چاہتے ہیں اور اہلِ یقین و اہلِ معرفت وہ اربابِ استقامت انفاس۔

جن کا زادِ سفر ایمان، محبت، اُمید ہے۔ وہ ہمہ تن، ہمہ جہت اور ہمہ وقت اس خوفناک بلا سے اس سفاک درندے سے نبرد آزما ہیں۔ اور ہر ممکن انتظام و اقدام کر رہے ہیں کہ شور کے اس مردم خور اور آدم کش زشت و پلشت عفریت کو کیسے سرمہ در گلو، کیسے پابجولاں کیا جائے۔ کیسے محکوم و مسخر، کیسے مطیع و رام کیا جائے! تاکہ اولادِ آدم اس کے خون آشام پنجوں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کی سامعہ پاش دل خراش اذیت سے بچ سکے۔ اس کی چنگیزی تاخت و تاراج کو امکان بھر روک سکے، یہ ان ملکوں اور قوموں کی بات ہے جنہیں ہم نے اپنی روایتی کم کوشی، خود بینی، کم نظری، خوش فہمی اور بدگمانی سے سمجھ رکھا ہے کہ وہ رہ گذرِ سیل بے پناہ ہیں ان کے آلات ان کے احساسِ مروت کو کچل چکے ہیں اور ان کی زندگی کا رنگ ڈھنگ

اس کا آہنگ و ہنجار انس و اخلاص سے مہر و مودت سے فیض و فتوحات سے دلداری و دلجوئی سے ہمدردی و محبت سے بیگانہ و محروم ہو کر محض میکانکی اور بے روح بن کر رہ گیا ہے یہ ہماری کتنی بڑی بھول اور کتنا بڑا فریب نفس ہے کہ ہم دوسروں کے محاسن کو بھی عیب شمار کرتے اور اپنی بے عملی کو قناعت اور اپنی بے علمی، بے ذوقی و بے توفیقی کو نجات کا پروانہ اور بخشش کا بیعانہ سمجھتے ہیں قانون مکافات عمل کو ہم ایک لمحے کے لئے بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ محاسبہ نفس کے ہم خوگر نہیں تنقید کو ہم برداشت نہیں کرتے۔ کبھی اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے کبھی اپنے آپ کو ناقدانہ اور مبصرانہ نگاہ سے نہیں دیکھتے!

مگر افسوس فطرت کی تعزیریں نہایت سخت ہیں، وسواس و وہم کے لئے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں۔ غلط اندیشی و غلط کاری سے وہ بھول کر بھی چشم پوشی نہیں کرتی عطاپوش و خطاپوش پروردگار اپنے بندوں کو یکساں عزیز رکھتا ہے اور انہیں ان کے اعمال و احوال کے مطابق نوازتا ہے وہ ناموں اور چہروں کو نہیں بلکہ فقط حسن خیال، حسن عمل اور حسن کردار کو دیکھتا ہے اور اسی نیت اور اسی حوالے سے انہیں دنیاوی بالادستی و برتری اور اُخروی فلاح و فتوح عطا کرتا ہے۔!

ہمارا مذہب جو سود و بہبود بشر کا پیغامبر ہے۔ جو صلح و صلاح و اصلاح کا حسن و احسان و استحسان کا منشور ہے جو اوج و عزت آدم کا صحیفہ ہے۔ جو تسلیم و تحمل کا توحید و توکل کا، نیک سگالی و خیر خواہی کا عہد نامہ ہے۔ جو انسان کی مسرتوں میں اضافہ کرنے کے لئے اس کے کمر توڑ بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے اسے سکینت و سکون، طمانیت و تسکین اور اطمینان و آسودگی بخشنے کے لئے اسے فوز و کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے، نازل ہوا تھا جس کا سب سے زیادہ زور حقوق العباد پر، آدمیت پر حفظ ننگ و ناموس پر، حسن معاشرت اور حسنِ اخلاق پر ہے جو ابن آدم میں مسئولیت و ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے جو اس کے دائرہ اختیار کی حد بندی کرتا ہے جو اس کے اندر خدا اور خلقِ خدا کی حدود کا شعور داخل کرتا ہے۔

مقامِ تاسف ہے کہ آج اسی کے نام لیوا اس کے نام پر بے بس بندگان خدا کو نیند سے، آرام سے راحت و سکون سے غور و فکر کی نعمت سے ذکر و فکر کی لذت سے، نوشت و خواند کی فرصت سے محروم کئے ہوئے ہیں ؎

این نفس مطمئنہ کہ خموشی غذاے اوست
دیں نفس ناطقہ سوئے گفتار می رود

مسجدیں جو خدا کا گھر ہیں اس خدا کا جو خفی سے خفی سرگوشی بھی سنتا ہے اور خود بھی سرگوشی میں بات کرتا ہے جو ہماری شاہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ ہمارے دل جس کی کرسی ہیں ہمارے سینے جس کا آستانہ ہیں جو حاضر و ناظر ہے۔

ان مسجدوں میں؛

شورش و آشوب ہے غلغلہ و شور و شر
خدا نے شب بنائی استراحت کے لئے
نیند تازہ دمی کے لئے رفع ماندگی کے لئے
مگر ہم کھلے عام اس مقصد و منشائے خدا کے خلاف صف آرا ہیں۔

لاؤڈ سپیکروں کا وہ وحشت خیز پاگل کر دینے والا بے ہنگم غل غپاڑا ہے کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے ہیں دن بھر کے تھکے ماندے آدمی کو بھی کل نہیں پڑتی۔ ؎

پاشند نمک جان خر شنیدہ اورا

بد تشق متفیہق ثرثار جن کو رسولِ حق نے

کہ ہر اشارات او یک کتاب گفتار است
سود از دگان عشق حق را
تسکین زمفرح کلامش

پر زور مذمت فرمائی ہے۔

ان ابغضکم الی المتفیھقون" تم میں سب سے زیادہ جن کو میں برا سمجھتا ہوں وہ کثیر الکلام اور زبان آور لوگ ہیں"۔

البغضکم الی الثرثارون المتشدقون

مجھے تم میں بہت ناپسند وہ ہیں جو زیادہ باتیں کرنے والے ہیں۔ زبان دراز ہیں۔ اپنا حلق تھکاتے ہیں۔ اور دوسروں کا مغز پکاتے ہیں۔"

خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں اس کا ارشاد ہے۔ انا معشر النبیین بکاء (النباء) نحن معاشر الانبیاء فینا بُکاء

"یعنی پیغمبر کم سخن قلیل الکلام، سکوت دوست ہوتے ہیں۔ سوائے ضرورت کے بات نہیں کرتے اور بات بھی

> اسلام، انسان کی سُود و بہبود کا پیامبر ہے
> توحید و توکل کا نیک شگون اور خیر خواہی
> کا عہد نامہ ہے

وہ ؎ لفظ جس کے ہوں تھوڑے معانی بہت
یہی کمال بلاغت ہے یہی معراجِ بیاں ہے

یہ لاؤڈ سپیکروں پر قابض، مسجدوں پر متصرف بطلق اللسان ناخوش آواز انسان اپنے بے بس اہل وطن کو ایک مسلسل عذاب و عقوبت میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ جب ان کا جی چاہتا ہے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے اپنی ناملائم ناہموار آوازوں سے ہوا میں لفظوں کے سنگین کوڑے لچکانا، برسانا شروع کر دیتے ہیں ؎

بہ تیشہ کس نخراشد زروئے خارا گل
چنانکہ بانگِ درشت تو می خراشد دل
قطبِ وقت و یگانہ دوراں خشم
تیکھے تلخ روئے عبوساً قمطریرا

جن کا شیوہ ؎

صحبت و لجاج و ستیزہ ÷ کہ سوز و عشق خداوند خام کاراں را

> قرآن کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے اور ادب سے سنو، لیکن یہ قرآن خواں اس سے علی الاعلان اور علی الاتصال اعراض کرتے ہیں

اپنے گلے کی پوری طاقت کے ساتھ آسمان میں شگاف اور زمین میں دراڑیں پیدا کرنے لگتے ہیں اور ہر کوئی جان لیتا ہے کہ پردہ الحان میں بلبل شیدا نہیں بلکہ غراب البین ہے ماحول کی آلائش کے، فضا کی آلودگی کے ہوا کی کثافت کے اسباب اور کون سے ہوتے ہیں؟

اور کہتے کیا ہیں۔ فرقہ وارانہ، جاہلانہ۔ بیگانہ بے سروپا باتیں بے مغز، بے رس باتیں، زبان غلط، بیان غلط، ادب سے بیگانہ ذوق سے بے بہرہ۔ یہ برخہ گور مژدہ ایماں و اشارات و کنایات کے اسرار و جوش اخبار سے ناآشنا کون ان کو بتائے کہ خم کی سربستگی جوشِ بادہ میں افزونی کا باعث ہوتی ہے اس کے ذائقے اور مہک کو محفوظ رکھتی ہے اور عرفا صحبت دل برحدیث زیر لبی است

صبح کے سہانے وقت میں جب ہر چیز پرسکون ہوتی ہے محوِ تقدیس و مصروف تسبیح و تہلیل ہوتی ہے۔

> رسولِ خدا کا ارشاد ہے کہ مسجدوں میں رفع اصوات سے اجتناب کریں

باغ پر پردہ ہائے موسیقی
راغ پر لحن ہائے موسیقار

جو خموشی و مناجات کا خود سے خدا سے بے صوت و صدا حرف و حکایات کا وقت ہوتا ہے۔ کوئی لہک لہک کر نعتیں پڑھ رہا ہے کوئی دھواں دھار تقریر کر رہا ہے۔ کوئی دعائیں مانگ رہا ہے کوئی اللہ ہو کی ضربیں لگا رہا ہے۔

سب بیک وقت ایک دوسرے کو کاٹ کرتے نقار خانے کا منظر پیش کرتے۔ مینارۂ بابل کی تصویر ابھارتے مفہوم نامفہوم مدعا علیہ معلوم۔

قرآن کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی اور ادب سے سنو لیکن ہر قرآن خوان اس حکم سے علی الاعلان اور علی الاتصال اعراض کرتے ہیں کچھ مستبعد، شب خیز اتا دے طلوع فجر کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ تہجد کی اذان دے کر ساتھ ہی ذکر بالجہر شروع کر دیتے ہیں سر بستر خواب راحت ہتھوڑے برسانے لگتے ہیں کیا مردان راہ خدا کے یہی وتیرے، یہی طور طریقے ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ رسول خدا کا ارشاد ہے کہ مسجدوں میں رفع اصوات سے اجتناب کرو۔ جس وقت مسجدوں کے کنگوروں سے آوازے آنے لگیں گے، شور شرابہ اٹھنے لگے گا تو وہ زوال کا وقت ہوگا۔ ادبار کی ساعت اور نزول مصائب کی گھڑی ہوگی۔

ع کس سے فریاد کریں منصفی کس سے چاہیں؛

اسلام قانون کے انتہائی احترام کا نام ہے

خدائے قدیر و قادر جو علی الاطلاق ہے "فعال لما یرید ہے" خود اپنے قانون کا پابند ہے وہ کسی آمر مطلق کی طرح اپنے قوانین و سنن کو منسوخ و مبطل نہیں کرتا۔ ہر شے تقدیر کے تابع ہے ہر شے کا حساب ہے "کل شیئ بحسبان"

لیکن ہم ہیں کہ اسی اسلام کے مقدس نام پر قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں قانون کے آگے جھکنے کو ہم اپنی کسر شان سمجھتے ہیں "اخذتہ العزۃ بالاثم والعدوان" کا مصداق ہم سے بڑھ کر کون ہے؟ ع

خندہ زن ہے کفر اس اسلام پر

> یہ کتنا بڑا فریب نفس ہے کہ ہم دوسروں کے محاسن کو بھی عیب شمار کرتے ہیں اور اپنی بے عملی کو قناعت، اپنی بے علمی کو بے ذوقی اور بے توفیقی کو نجات کا پروانہ اور بخشش کا بیعانہ سمجھتے ہیں

حکومت وقت کی طرف سے لاؤڈ سپیکروں کے استعمال پر پابندی ہے اور اس ضمن میں جو اعلامئے وقتاً فوقتاً اخباروں میں شائع ہوتے ہیں ان میں بالصراحت مذکور ہوتا ہے کہ صرف اذانیں اور خطبات اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن کبھی اہل مسجد نے اصحاب منبر و محراب نے "ارباب اصلاح و ارشاد نے اس پابندی کا پاس کیا؟ کیا صبح پانچ بجے سے آٹھ بجے تک متواتر اذانیں ہی ہوتی رہتی ہیں؟ خطبے سے مراد بھی مسنون عربی خطبے ہیں باقی تو خطیب کی اپنی زبان میں تقریر و تلقین ہوتی ہے کیا اس قانون کی رو سے یہ صبح شام، دن کے ہر حصے میں رات کے پچھلے پہر تک گلے پھاڑ کر تقریریں کرتے اور خلق خدا کو بے آرام اور

ہسپتالوں، سکولوں کالجوں اور کوچہ و بازار کے سکون کو درہم برہم کرنے کے مجاز ہیں؟

انہیں دھیمے انداز میں، آہستہ آواز میں بات کرنا آتا ہی نہیں یہ جب زبان کھولتے ہیں (اور اکثر کھولے ہی رکھتے ہیں) تو رعد کی طرح گرجتے، بجلی کی طرح کڑکتے اور آتش فشاں کی طرح پھٹتے ہیں۔ فصیح عرب نے خطیب انبیاء نے کم گوئی پر کتنا زور دیا ہے۔ کتنا اس کا اجر بتایا ہے۔ لیکن ان ابوالکلاموں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

مسجدوں میں جو لوگ حاضر ہیں، جلسے میں جو لوگ موجود ہیں خطاب صرف انہی سے ہونا چاہیئے دور نزدیک کے دوسرے بے تعلق بے خطا لوگوں کو پریشان کرنے کا ان کے آرام میں خلل انداز ہونے کا ان کی خلوت میں درانہ گھسنے کا، ان کے تخلیئے میں دخل در معقولات کا، ان کے حقوق تنہائی و آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کا انہیں حق کس نے دیا ہے؟ کیا یہ چادر کی بے حرمتی نہیں۔۔۔ کیا یہ چار دیواری کے تقدس کی پامالی نہیں؟ کیا یہ پردہ دری نہیں؟ کیا یہ کھلی جارحیت نہیں؟

خدا اور اس کے رسول صلعم نے تو بے اجازت کسی کے گھر میں بصورت داخل ہونے سے بلکہ تاکنے جھانکنے سے بھی منع فرمایا ہے کیا اس حکم استیذان کا اطلاق ان اہل جبہ و عمامہ و طبل و دمامہ پر نہیں ہوتا۔ کیا نظر کے ساتھ آواز کا پردہ نہیں؟ کیا غض بصر کے ساتھ غض صوت کا حکم نہیں؟ کیا یہ حضرات پارسا ہر قانون ارضی و سماوی سے ماورا ہیں؟ کیا یہ قانون خدا کی تفسیر و تشریح قانون شکنی کے ذریعے کرتے ہیں؟ کیا ان میں ذرا بھی انسان کا احترام نہیں؟ ذرا بھی اس

> ہتھوڑوں کی ضربیں نہیں آب رواں کا رقص اپنے نغموں سے سنگریزوں کو سڈول بناتا ہے
>
> ٹھوکریں زمین سے گرد تو پیدا کر سکتی ہیں، اناج نہیں

کے حقوق کا پاس نہیں؟ ذرا بھی اس کے جذبات کا لحاظ نہیں؟ ذرا بھی اس کے معتقدات و محسوسات کی پروا نہیں؟ کیا انہیں ہمسایوں کے حقوق یاد نہیں؟ ؎

مومن ز تو نا کیں و ترساں ز تو ترسا

کیا یہ فرد کی آزادی کو اس کی انفرادیت کو نہیں مانتے؟ انہیں خدائی فوجدار اور داروغہ کس نے بنایا ہے؟ خدائے مطلق نے تو اپنے پیغمبر برحق تک کو اس کا اذن نہیں دیا۔ انسانی حقوق کا اسلامی چارٹر تو ہر قسم کو بلا امتیاز اس بات کا تحفظ مہیا کرتا ہے کہ اسے کوئی بلاوجہ ستائے نہ تنگ کرے نہ اس کی پرائیوسی کی حدود میں بلا اذن داخل ہو۔ ہمارے ہاں مذہبی آزادی ہے۔ یہاں دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی بستے ہیں۔۔۔ یعنی عیسائی، پارسی، قادیانی، بہائی ہندو وغیرہ (پھر مسلمانوں کے اندر کا ہر فرقہ بجائے خود ایک الگ مذہب کا حکم رکھتا ہے) کیا ہم انہیں اجازت دیں گے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں یونہی چیخیں یونہی حشر برپا کریں یونہی دن رات بات بے بات یونہی صبح و شام بے ہنگام آلہ مکبر الصوت پر وعظ و تبلیغ کریں ذکر اذکار کریں یونہی فضا کو آلودہ اور ماحول کو مکدر کریں اگر اس کا جواب نہیں ہے تو یہ چیز ہمارے لیے کس حد تک اور کس آئین کی رو سے جائز ہے کیا قانون کی نگاہوں میں سب برابر ہیں؟ کیا قانون سب کے لئے یکساں نہیں؟

جو چیز دوسروں کو ناگوار گزرتی ہے وہ اپنے لئے گوارا کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا یہ وہ دوئی "وہ ثنویت وہ دوغلا پن نہیں جس کا اسلام توحید و وحدانیت کے عظیم و رحیم تصور سے بطلان کرتا ہے؟ اور مذہب تو خود ہے مرہم ہے، خوشبو ہے، تریاق ہے سلامتی ہے

مرہم ہے۔ خوشبو ہے۔ تریاق ہے روشنی ہے۔ شفا ہے۔ سکینت ہے۔ آلہ تعذیب وتخویف نہیں۔ جبر جور و تشدد نہیں یہ آسانی ہے تنگی نہیں۔ سہولت ہے دشواری نہیں۔

الدین یسرا ولا عسر

جس رسول رحمت پر دین کی تکمیل ہوئی تھی۔ جو مقام اخلاق اور محاسن سیرت و کردار کی تکمیل وتعلیم کے لئے مبعوث ہوا تھا اس کی حیاتِ مبارکہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس نے کبھی اہل مدینہ کو بے آرام کیا ہو اس طرح وقت بے وقت وعظ کئے ہوں وہ صاحب جوامع الکلم تو مختصر برجستہ جملوں میں بات کرتا ہے اس کا سب سے بڑا خطاب خطبہ حجۃ الوداع ہے اور وہ بھی کتنا۔

فاعتبروا یا اولی الالباب

اس کی تو تاکید ہے یسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا وہ راتوں کو اٹھتا ہے اپنے مولا سے راز و نیاز کرنے کے لئے اس کی بے پایاں لا تتناہی نعمتوں اور عنایتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے تو اپنی ہم خواب اُم المؤمنین رض کو بھی خبر نہیں ہونے دیتا نہ پاؤں کا کھڑکا نہیں کرتا مبادا اس کی نیند اچٹ جائے اس کی آنکھ کھل جائے اس کی تو صفت ہی یہی ہے

لا فظ ولا غلیظ القلب ولا صخاب فی الاسواق

وہ تو اونچے لہجے میں بات بھی نہیں کرتا۔ نرم خو ہے نرم گو ہے، نرم رو ہے۔

اس کے ارشاد کے مطابق خدا خود تقی خفی کو پسند کرتا ہے اور خود خالق کائنات فرماتا ہے کہ ادعوہ تضرعا وخفیہ

وہ تو تاریک راتوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چٹانوں کے اندر رینگتی ہوئی چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سنتا ہے وہ تو سمیع و لطیف ہے ہا ہا کار کیا اسے سنانے کے لیے مچائی جاتی ہے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
ایں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند
ایں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد

مومن کی تعریف تو یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھوں سے کسی کو آزار و ایذا نہ پہنچے اس کا وجود باعث خیر و برکت ہو۔ مومن تو نبی آخرالزماں کے الفاظ میں "ہَیِّنٌ، لَیِّنٌ غِرٌّ کریم" ہوتا ہے۔ المومن یالف ویولف وخیر الناس انفعھم للناس۔

وہ تو سراپا شرافت، سراپا بشارت، سراپا دیانت سراپا صداقت، سراپا رحمت و راحت ہوتا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین کا امتی ہے وہ رحمت دو عالم جو عذاب بن کر نہیں رحمت بن کر آیا تھا ہر زمین و ہر زمان کے لئے ہر ملک وملت کے لئے، ہر دہر ہر دیار کے لئے۔

سچا مومن تو خود کو حسب توفیق خدائی صفات سے متصف کرتا ہے اور حتی المقدور اسوہ حسنہ پر چلنے کی سعی کرتا ہے کہ یہی صراط مستقیم ہے یہی شاہراہ حیات ہے اس کو معلوم ہے کہ

سراسر ناز در عجز و نیاز است
سراسر حسن در سوز و گداز است

اس کی پہچان اس کی شفقت اس کی منکسر مزاجی، اس کی نرمی

وحلیمی، اس کی خاکساری و بردباری اس کی خدا خوفی اور انسان
دوستی ہے ؎ چہ باید مرد را طبع بلندے مشرب نابے
نگارین چہرہ خوبی زہر یا بے
مومن میں خشونت، درشتی، قساوت، پندار، استکبار
کہاں۔ اس کے لئے تو حکم ہے واعف عمن اساء الیک
وصل من جفاک وکرم من اتاک۔
حدیث قدسی کی رو سے خداوند کریم فرماتا ہے۔
"اے میرے بندو! میں نے خود پر ظلم کو حرام ٹھہرالیا ہے
اس لئے تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ظلم کیا ہے کسی کی حق تلفی
کسی شے کا صرف بے جا۔ کسی اختیار کا ناجائز استعمال۔ کسی شخص
وشے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا۔ غضب وتغلب استحصال واستیلا
مداخلت بے جا۔
اہل مسجد پر، ان منصب داران رشد وہدایت پر فرض ہے
کہ وہ رائج الوقت قانون کا لفظاً معناً احترام کریں۔ انہیں صرف
اذان اور خطبے کے لئے لاوڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت
ہے۔ اگرچہ مسجدیں اس قدر کثرت سے ہیں اور موذن اتنے
بلند آواز کہ حقیقتاً وہ کسی آلہ جہیر الصوت کے محتاج نہیں۔
مسجد اگر بڑی ہو اور اس کے تمام نمازیوں تک خطیب و
مقرر کی آواز نہ پہنچتی ہو تو ترکی اور دوسرے روشن خیال اور وسیع النظر
ممالک کی طرح مائیکروفون سے کام لیا جاسکتا ہے جس کی آواز
مسجد کے بام و در کے اندر رہے مقصود تو ابلاغ ہے یعنی جو
لوگ شریک محفل نہیں انہیں تنگ کیا جائے اور جوش خطابت
میں پند و نصائح کو بے وزن و بے قدر اور بے توقیر کیا جائے

حدیث حسن بگو گنگ بے زبان و سخن
کہ نطق و حرف و معانی حجاب انظار است
ایسی تلقین ونصیحت ایسی تذکیر وموعظت جو نا آمادہ
کانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کی طرح برسائی جائے کبھی کارگر کبھی بروئے
وبارور ہوسکتی ہے، کبھی برگ وثمر لاسکتی ہے، جب تک
متکلم و مستمع دونوں ایک ہی طول موج پر نہ ہوں، دونوں میں
دماغ ودل کا مکمل رابطہ قائم نہ ہو تب تک ابلاغ کیسے ہوسکتا
ہے؟ پھول کی پنکھڑیاں شبنم کے ہبے سہبے سہبے کرتے نرم ونازک
قطروں کے لئے اپنی چشم تماشا اور آغوش تمنا وا کردیتی ہیں
لیکن جب ڈونگرے برسنے لگیں تو وہ جھٹ اپنے دہان بند کرلیتی
ہیں خیمہ گل کے پردے گرادیتی ہیں اور دروازے بھیڑ لیتی ہیں
قبولیت واثر پذیری کے لئے پذیرائی و آمادگی شرط
اولین ہے۔
"ہتھوڑوں کی ضربیں نہیں بلکہ آب رواں کا رقص اپنے
نغموں میں سنگریزوں کو سڈول بناتا ہے ٹھوکریں زمین سے
گرد تو پیدا کرسکتی ہیں اناج نہیں۔"
کام دو دہن اباکریں تو آب حیات بھی آب شور بن کررہ
جاتا ہے۔ مریض طبیب اور دوا کو شرح صدر سے قبول نہ کرے
تو اسے کبھی افاقہ نہیں ہوتا شفایابی کے لئے اس کا
تعاون از بس ضروری ہے منکر پر اعجاز مسیحا بھی بے اثر ہو
کررہ جاتا ہے۔ تاثر واستفادہ کے لئے گوش شنوا و
سمع قبول ناگزیر ہے اور پھر روح عصر کا ادراک اور دور
زمان کا عرفان لازم ہے اسی کو خبیر وبصیر حکیم مطابق حکمت

وموعظہ حسنہ کا نام دیتا ہے۔

ارباب اختیار سے ہم بے اختیاروں کی باادب التماس ہے کہ یا تو مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکروں کو قانون کا پابند بنایا جائے۔ ان پر صرف اور صرف پنجگانہ بلالی اذان ہو اور جمعہ کا وعظ و خطبہ۔ اس کے علاوہ ان کا استعمال کسی بھی غرض سے قطعاً اور حکماً ممنوع اور قابل تعزیر ٹھہرایا جائے۔

کرنے والے شوق سے رات دن ذکر و تبلیغ کی حمد و نعت کی محفلیں برپا کریں لیکن ان میں آواز صرف حاضرین مجلس تک محدود رہنی چاہیے۔ اگر ان شیوا بیانوں کی طبعتیں اس پابندی کی متحمل نہ ہو سکیں، اگر یہ مئے تند مینا سے اچھلنے پر مصر ہو تو لاؤڈ اسپیکر یکسر ختم کر دیئے جائیں تاکہ خلق خدا کو اس عذاب الیم سے نجات ملے یہ ان کا ابنائے وطن پر وہ عظیم احسان ہوگا جس کے لئے وہ عند الناس اور عند اللہ ماجور ہوں گے۔ وما علینا الا البلاغ ۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ)

بقیہ: نفس کی اصلاح

ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ساتھی نہ ہو تو راستہ میں کسی جگہ ضرور ٹھوکر کھا کر گرے گا۔ خیر و عافیت سے منزل پر پہنچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے پیروں چلے اور راستہ بتلانے والے کا ہاتھ پکڑے بالکل ایسی ہی حالت اس راستہ کی بھی ہے کہ ارادہ کرنا اور کام شروع کرنا اپنے پیروں چلنا ہے اور کسی بزرگ کا دامن پکڑنا ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ لوگ جو آج کل نری پیری مریدی کو اصل کام سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے۔ نری پیری مریدی میں کچھ نہیں رکھا اصل کام خود چلنا ہے اور کسی بزرگ کے کہنے پر عمل کرنا ہے۔ بیعت ہونے میں برکت ضرور ہے لیکن اس کو اصل کام سمجھنا بڑی غلطی ہے بزرگوں کی نظر اور توجہ سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ کام پر لگا دیا جائے آگے جو کچھ ہوتا ہے اپنے کرنے سے ہوتا ہے آج ہی سے اس کے لئے تیار ہونا چاہیئے خدا سے دعا ہے کہ وہ کام کرنے کی توفیق دے (آمین)

- طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں راستہ نظر آجائے اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقت ہے بلکہ بزرگ بننے کی بھی نہ ہونی چاہیئے
اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے خود کچھ تجویز نہ کرے

(ا۔ ع۔ ت)